

14

اسلامی علوم کا تعارف

علم الفقہ

آیت اللہ شہید استاد مرتضٰی مطہریؒ

شہید مطہری فاونڈیشن

www.shaheedmutahhari.com

نام کتاب	علم الفقہ
مصنف	شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ
مترجم	سید محمد عسکری
سیٹنگ	قلب علی سیال
کمپوزنگ	الحمد گرافکس لاہور (0333-4031233)
ناشر	شہید مطہری فاؤنڈیشن
تاریخ اشاعت	2014ء
طبع	اوّل
قیمت	

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

''شہید مطہری فاؤنڈیشن'' دینی مواد کی اشاعت کے سلسلہ میں نیا ادارہ تشکیل دیا گیا ہے۔ ادارے کا مطمع نظر عوام کو بہتر اور سستے ترین انداز میں دینی مواد بذریعہ کتب اور انٹرنیٹ فراہم کرنے کا پروگرام ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھرپور وسائل عطا فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ''علم الفقہ'' شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ کی سعی جمیل کا نتیجہ ہے۔ قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''فقہ'' سے مراد اسلامی احکام ومعارف کا وسیع علم اور انہیں گہرائی کے ساتھ جاننا ہے اور وہ کسی خاص شعبے سے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ علماء کی اصطلاح میں یہ لفظ فقہ، احکام سے مخصوص ہوگیا۔ کتابِ ھذا میں اسی طرح کی بحثیں ہیں قارئین حضرات اس سے استفادہ کریں۔

ادارہ ھذا نے اس کتاب کے موضوعات کو مختلف ایرانی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا ہے۔ کتاب کو پاکستان کی عوام کے پسندیدہ خط، فونٹ اور انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیٹ پر اَپ لوڈ کرنے والوں کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے۔ اُمید ہے آپ ادارہ ہذا کی اس کوشش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

والسلام

شہید مطہری فاؤنڈیشن

فہرست مضامین



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سبق نمبر ۱

علم فقہ

علم فقہ، اسلامی علوم میں وسیع ترین علم ہے۔ اس کی تاریخ تمام دوسرے اسلامی علوم سے پرانی ہے۔ یہ علم تمام زمانوں میں بڑے وسیع پیمانے پر پڑھا اور پڑھایا جاتا رہا ہے۔ اسلامی دنیا میں بے شمار فقہاء بھی پیدا ہوئے ہیں۔

بعض فقہاء دنیا کی غیر معمولی ہستیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس علم میں بیحد کتابیں لکھی گئی ہیں۔ بعض کتابیں ایسی ہیں جن کی قدر و قیمت معین نہیں کی جاسکتی۔ فقہ میں ایسے لاتعداد مسائل بیان ہوئے ہیں جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہیں۔

آج کی دنیا میں قانون کی تمام قسموں، بنیادی قانون، شہری قانون، عائلی حقوق، سیاسی قانون اور سزا کے قانون کے تحت جتنے مسائل بیان ہوتے ہیں وہ سب کے سب فقہ کے مختلف ابواب میں دوسرے ناموں سے بکھرے ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ فقہ میں کچھ ایسے مسائل بھی ہیں جو آج کے قوانین میں نظر نہیں آتے، جیسے عبادات کے مسائل۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، آج کے قوانین میں فقہ کے جو مسائل بیان ہوئے ہیں، انہیں مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ مختلف فیکلٹیوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر فقہ بالقوہ مختلف موضوعات پر

مشتمل ہے۔

لفظ فقہ قرآن وحدیث میں

قرآن کریم اور احادیث میں لفظ فقہ وتفقہ کا بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ہر جگہ اس لفظ کا مفہوم گہری سمجھ اور عمیق فہم کے ہمراہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (توبہ:۱۲۲)

ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہیں نکلتے تاکہ دین کے بارے میں پوری بصیرت حاصل کریں اور واپسی کے بعد اپنے عوام کو خطرے سے آگاہ کریں، شاید وہ پرہیز کریں۔

حدیث میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

من حفظ علی امتی اربعین حدیثا بعثه الله فقیها عالما۔

جو شخص میری امت میں چالیس حدیثیں حفظ کرے، خدا اسے فقیہ و عالم محشور فرمائے گا۔

مجھے یہ تو صحیح طرح سے نہیں معلوم کہ صحابہ سے تعلق رکھنے والے علماء و فضلاء فقہاء کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے یا نہیں، لیکن اتنا مسلم ہے کہ تابعین (صحابہ کے وہ شاگرد جنہیں صحبت پیغمبرؐ کا شرف نہیں ملا لیکن انہوں نے صحابہ کا زمانہ

دیکھا ہے) کے زمانے میں یہ لقب بعض لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

سات تابعین فقہاء سبعہ کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ ۹۴ھ کو جو حضرت زین العابدینؑ کی وفات کا سال ہے اور اسی سال فقہاء سبعہ میں سے سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر نیز فقہائے مدینہ میں سے سعید بن جبیر اور کچھ دوسرے فقہاء نے وفات پائی ہے، ''سنتہ الفقہاء'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ہر زمانے میں اسلام سے آشنا، خصوصاً اسلامی احکام سے واقف علماء کو ''فقہاء'' کہا جاتا ہے۔

آئمہ اطہارؑ نے بارہا یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اپنے بعض اصحاب کو تفقہ کا حکم دیا ہے یا انہیں فقیہ کے لقب سے نوازا ہے۔ ان ہی ایام میں آئمہ اطہارؑ کے جید شاگرد شیعہ فقہاء کے عنوان سے پہچانے جاتے تھے۔

لفظ فقہ علماء کی اصطلاح میں

قرآن وسنت کی اصطلاح میں ''فقہ'' سے مراد اسلامی احکام و معارف کا وسیع علم اور انہیں گہرائی کے ساتھ جاننا ہے اور وہ کسی خاص شعبے سے مخصوص نہیں ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ علماء کی اصطلاح میں یہ لفظ فقہ، احکام سے مخصوص ہوگیا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ علمائے اسلام نے اسلامی تعلیمات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

الف۔ معارف واعتقادات۔ یعنی وہ امور جن کا مقصد معرفت ایمان اور اعتقاد ہے، جو قلب، دل اور فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے مبداء، معاد، نبوت، وحی، ملائکہ اور امامت سے مربوط مسائل۔

ب۔ اخلاقیات اور تربیتی مسائل، یعنی وہ امور جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو روحی ونفسیاتی خصلتوں کے لحاظ سے کیسا ہونا اور کیسا نہیں ہونا چاہئے۔ جیسے

تقویٰ، عدالت، سخاوت، شجاعت، صبر و رضا اور اثبات قدم وغیرہ۔

ج۔ عملی احکام ومسائل۔ یعنی وہ امور جن کا مقصد یہ ہے کہ انسان خارج میں کچھ مخصوص اعمال بجالائے یا اس کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں اور کیسے نہیں ہونے چاہئیں دوسرے لفظوں میں وضع شدہ قوانین وضوابط۔ اسلامی فقہاء نے لفظ فقہ کو اسی آخری قسم میں اصطلاح بنالیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صدر اسلام سے (آج تک) عوام جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے اور اس کے متعلق سوال کرتے تھے، وہی یہی عملی مسائل تھے۔ لہٰذا جو افراد اس شعبہ میں مہارت رکھتے تھے، وہ ''فقہاء'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔

تکلیفی و وضعی حکم

فقہاء کی بعض مخصوص اصطلاحوں کو بیان کردینا بھی ضروری ہے۔ فقہاء احکام، یعنی خدا کے وضع کئے ہوئے قوانین کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں: حکم تکلیفی اور حکم وضعی۔

حکم تکلیفی، یعنی وجوب، حرمت، استحباب، کراہت، اباحت۔

یہ پانچ احکام ''احکام خمسہ تکلیفیہ'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں اسلامی نقطہ نظر سے کوئی بھی کام ان پانچ حکموں سے خالی نہیں ہے۔ یا واجب ہے یعنی اسے انجام دینا ضروری ہے اور اسے ترک کرنا جائز نہیں ہے، جیسے نماز پنجگانہ، یا حرام ہے یعنی اسے انجام نہیں دینا چاہیے، اس کا ترک کرنا ضروری ہے، جیسے جھوٹ، ظلم، شراب خوری وغیرہ یا مستحب ہے، یعنی اس کا بجالانا اچھا ہے لیکن اگر ترک کردیا گیا تو سزا نہیں دی جائے گی، جیسے نماز نافلہ یا مکروہ ہے یعنی اسے انجام نہ دینا اچھا ہے لیکن اگر انجام دے دیا تو سزا نہیں ملے گی، جیسے مسجد

میں جو کہ عبادت کی جگہ ہے، دنیاوی باتیں کرنا یا مباح ہے یعنی اسے کرنا یا نہ کرنا دونوں برابر ہے، جیسے اکثر امور۔ تمام تکلیفی احکام کا تعلق کرنے یا نہ کرنے، امر و نہی یا اجازت سے ہے۔

لیکن وضعی احکام اس طرح کے نہیں ہیں جیسے زوجیت، ملکیت، شرطیت اور سببیت وغیرہ۔

تعبدی وتوصلی

واجبات کی دو قسمیں ہیں: تعبدی اور توصلی۔

تعبدی یعنی وہ امور جن کی بجا آوری میں قصد قربت شرط ہے۔ یعنی انسان ان امور کو کسی دنیوی و مادی غرض و مقصد کے بغیر خدا سے تقرب کی نیت سے بجالائے تو صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں ہے۔ جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

لیکن واجب توصلی یہ ہے کہ اگر اسے تقرب کی نیت کے بغیر بھی انجام دیا جائے پھر بھی فریضہ پورا ہو جائے گا۔ جیسے ماں باپ کی اطاعت یا سماجی عہد و پیمان کا ایفاء مثلاً انسان یہ طے کرتا ہے کہ فلاں کام اتنی اجرت کے بدلہ میں انجام دے گا تو اس پر اس کام کی انجام دہی واجب ہو جاتی ہے بلکہ ہر قسم کا عہد و وعدہ یہی حکم رکھتا ہے۔

عینی وکفائی

واجبات کی ایک اور تقسیم ہے: عینی و کفائی۔ واجب عینی یعنی جو ہر شخص پر فرداً فرداً واجب ہو۔ جیسے نماز و روزہ وغیرہ۔ لیکن واجب کفائی یہ ہے کہ کسی کام کی انجام دہی تمام مسلمانوں پر اس طرح سے واجب ہو کہ اگر ایک یا چند افراد اسے انجام دے دیں تو بقیہ افراد بھی بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے طبابت، قضاوت،

زراعت، تجارت، فقاہت اور سپہ گری وغیرہ جیسی سماجی ضروریات اور یہی حکم میتوں کو کفن و دفن کرنے کا ہے کہ یہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے، لیکن اگر چند افراد اسے انجام دے دیں تو بقیہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔

تعیینی و تخییری

واجبات کی تیسری تقسیم یہ ہے کہ وہ یا تعیینی ہیں یا تخییری۔ واجب تعیینی یہ ہے کہ کوئی معین و مشخص کام انجام دیا جائے۔ جیسے نماز پنجگانہ، حج، زکوٰۃ، خمس امر بالمعروف اور جہاد وغیرہ۔

لیکن واجب تخییری یہ ہے کہ مکلف چند کاموں میں سے کوئی ایک کام انجام دے۔ جیسے بعض قسم کے کفارے، مثلاً اگر کوئی شخص ماہ مبارک رمضان میں عمداً روزہ نہ رکھے تو اسے ایک غلام آزاد کرنا ہوگا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا ساٹھ دن روزے رکھنا ہوں گے۔

نفسی ومقدمی

چوتھی تقسیم یہ ہے کہ واجب کی دو قسمیں ہیں: نفسی و مقدمی۔ واجب نفسی وہ ہے جو بذاتہ مقصود شارع ہو۔ وہ خود اپنی ہی خاطر مقصود و مطلوب ہو، نہ کہ کسی اور واجب کی خاطر۔ مثلاً ایک انسان جو ہلاکت کے قریب ہے، اسے نجات دینا واجب ہے اور یہ واجب کسی دوسرے واجب کا مقدمہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کی نجات کے لیے ابتدائی و ضروری مقدمات مثلاً اگر کوئی انسان کنویں میں گر گیا ہو تو اسے نکالنے کے لیے رسی اور دوسرے وسائل کی فراہمی ضروری ہے۔ ان وسائل کو فراہم کرنا بھی واجب ہے، لیکن ایک دوسرے واجب (نجات انسان) کے مقدمے کے طور پر۔ یا مثلاً حج کے اعمال واجب ہیں اور یہ وجوب نفسی ہے یا

پاسپورٹ حاصل کرنا،ٹکٹ خریدنا اور دیگر مقدماتی وسائل فراہم کرنا بھی واجب ہے لیکن یہ وجوب مقدمی ہے۔ نماز واجب نفسی ہے لیکن نماز کے وقت میں نماز کے لیے وضو یا غسل واجب مقدمی ہے۔

سبق نمبر ۲

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۱)

جیسا کہ گزشتہ دروس میں یاد دہانی کرا چکا ہوں کہ کسی علم سے واقفیت کا ایک مقدمہ یہ ہے کہ اس علم کی نمایاں ہستیوں اور وہ مشہور ومعروف صاحب نظر افراد جن کے افکار ونظریات کو اس علم میں اہمیت دی جاتی ہے نیز اس علم میں لکھی جانے والی ان اہم کتابوں سے آگاہی حاصل کی جائے جو سند کا درجہ رکھتی ہیں۔

علم فقہ، یعنی وہ مدون فقہ جس کے بارے میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور وہ کتابیں آج بھی موجود ہیں، گیارہ سو سالہ تاریخ رکھتا ہے۔ یعنی گیارہ سو سال سے بلا وقفہ فقہی مدرسے کھلے ہوئے ہیں۔ اساتذہ نے بہت سے شاگرد پروان چڑھائے ہیں اور خود ان شاگردوں نے دوسرے شاگردوں کی تربیت کی ہے اور آج تک استاد شاگرد کا یہ رابطہ برقرار ہے۔

البتہ فلسفہ، منطق، ریاضیات اور طب جیسے دیگر علوم کی تاریخ اس سے بھی زیادہ پرانی ہے اور ان علوم کی قدیم ترین کتابیں بھی موجود ہیں۔ لیکن ان علوم میں سے شاید کسی بھی علم میں اس طرح کی پیہم ومسلسل حیات کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی، جہاں کسی بھی لمحے استاد شاگرد کا سلسلہ نہ ٹوٹا ہو۔ بالفرض اگر کسی علم میں یہ خاصیت موجود بھی ہو تو وہ

اسلامی دنیا ہی میں منحصر ہوگا۔ یعنی یہ صرف اسلامی دنیا ہی ہے جہاں علوم اپنی ہزار سالہ منظم، مسلسل اور پیہم زندگی کی تاریخ رکھتے ہیں اور اس میں کسی قسم کا وقفہ نہیں ہوا ہے۔ ہم اس سے پہلے عرفان کے تسلسل کے بارے میں ایک مختصر بحث کر چکے ہیں۔

خوش قسمتی سے ایک مسئلہ جو مسلمان علماء کی توجہ کا مرکز بنا رہا ہے وہ یہی صاحبان علوم کے مسلسل طبقوں کو مشخص کرنا ہے۔ یہ کام سب سے پہلے علمائے حدیث کے سلسلے میں انجام پایا ہے۔ اس کے بعد دیگر علوم کے ماہرین کے بارے میں۔ ہمارے یہاں اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ جیسے ابو اسحاق شیرازی کی طبقات الفقہاء، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء، ابوعبدالرحمن سلمی کی طبقات النحویین اور طبقات الصوفیہ۔

لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبقات فقہاء کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، جہاں تک میری اطلاع ہے، وہ سب اہل سنت سے مربوط ہے۔ طبقات فقہائے شیعہ کے بارے میں ابھی تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ لہٰذا شیعہ فقہاء کے طبقوں کے انکشاف کے لئے علماء کی سوانح حیات یا اجازوں کی کتابوں سے، جو روایان حدیث کے طبقوں سے مربوط ہیں، استفادہ کرنا چاہیے۔ ہم یہاں شیعہ فقہاء کے طبقات کو تفصیل سے نہیں بیان کرنا چاہتے بلکہ صرف فقہی کتابوں کے ہمراہ ان چند شخصیتوں اور نام گرامی فقیہوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جن کے افکار و نظریات اہمیت رکھتے ہیں۔ ضمنی طور پر فقہاء کے طبقات سے بھی واقفیت ہوجائے گی۔

شیعہ فقہاء

شیعہ فقہاء کی تاریخ ہم غیبت صغریٰ کے زمانہ ۲۶۰ھ تا ۳۲۰ھ سے

شروع کر رہے ہیں اور اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ غیبت صغریٰ سے پہلے کا زمانہ آئمہ اطہارؑ کے ظہور کا زمانہ ہے اور اگرچہ عصر ظہور میں بھی فقہاء اور صحیح معنوں میں مجتہدین و صاحبان فتویٰ موجود تھے، جنہیں خود آئمہ اطہار (ع) فتویٰ دینے کا شوق دلاتے تھے۔ لیکن آئمہ اطہار علیہم السلام کی موجودگی کی وجہ سے انہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ یعنی انہیں صرف اسی وقت مرجع مانا جاتا تھا جب آئمہ اطہار (ع) تک رسائی ممکن نہ ہو۔ اس وقت لوگ حتیٰ الامکان اصل سرچشمہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ خود وہ فقہاء بھی راستہ کی دوری اور اس زمانے کی دیگر مشکلات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی علمی مشکلوں کو آئمہ اطہار (ع) کی خدمت میں پیش کرنے کی حتیٰ الامکان کوشش کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ بظاہر ہماری مدون فقہ کی تاریخ غیبت صغریٰ ہی سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی غیبت صغریٰ سے پہلے کی کوئی شیعہ فقہی کتاب فی الحال موجود نہیں ہے یا مجھے اس کی خبر نہیں ہے۔

بہرکیف شیعوں کے یہاں بھی آئمہ اطہار (ع) کے زمانے میں بڑے بڑے فقیہ موجود تھے۔ اگر ہم ان کے ہمعصر دیگر مذاہب کے فقہاء سے ان کا مقابلہ کریں تو اس وقت ان کی قدر و قیمت ظاہر ہوگی۔ ابن ندیم نے اپنی نہایت معتبر عمدہ نفیس اور عالمی شہرت یافتہ کتاب ''الفہرست'' کے چھٹے مقالہ کے پانچویں فن کو شیعہ فقہاء سے مخصوص کیا ہے۔ وہ ان فقہاء کے ناموں کے ذیل میں فقہ و حدیث میں لکھی گئی ان کی کتابوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ حسین بن سعید اہوازی اور ان کے بھائی کے بارے میں کہتے ہیں: اوسع اھل زمانھما علما بالفقہ والآثار والمناقب یا علی ابن ابراہیم قمی کے متعلق لکھتے ہیں: من العلماء الفقہاء محمد بن حسن بن احمد بن الولید قمی کے سلسلے میں ہے: ولہ من الکتب کتاب الجامع فی الفقہ۔ ان کی فقہی کتابیں بظاہر اس طرح کی تھیں کہ وہ ہر باب میں جن حدیثوں کو معتبر سمجھتے تھے اور ان پر عمل کرتے

تھے، انہیں ذکر کردیتے تھے۔ وہ کتابیں حدیث بھی اور مؤلف کا نظریہ وفتویٰ بھی۔

محقق علی کتاب معتبر کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

چونکہ ہمارے فقہاء رضوان اللہ علیہم کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی کتابیں بھی بکثرت ہیں۔ ان سب کے اقوال کو نقل کرنا ناممکن ہے، لہٰذا میں صرف ان فقہاء کے اقوال نقل کررہا ہوں جو علم وفضل، تحقیق وجستجو اور حسن انتخاب میں مشہورتر ہیں اور ان افاضل کی کتابوں میں سے صرف ان ہی چیزوں (کے انتخاب) پر اکتفا کررہا ہوں جن سے کتابوں میں ان کا اجتہاد عیاں ہے اور وہ خود ان پر بھروسہ کرتے تھے۔ (عصر آئمہؑ کے قدماء میں سے) جن لوگوں کا ذکر کروں گا، ان میں حسن بن محبوب، احمد بن ابی نصر بزنطی، حسین بن سعید اہوازی، فضل بن شاذان نیشاپوری، یونس بن عبدالرحمن اور متاثرین میں سے محمد بن بابویہ قمی (شیخ صدوق) محمد ابن یعقوب کلینی اور اصحاب فتویٰ میں سے علی بن بابویہ قمی، اسکافی، ابن ابی عقیل، شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الھدیٰ اور شیخ طوسی ہیں۔

محقق علی، اس کے باوجود کہ پہلے گروہ کو نظر، اجتہاد اور انتخاب کا اہل جانتے ہیں، لیکن انہیں اصحاب فتویٰ کے نام سے یاد نہیں کرتے کیونکہ ان کی کتابیں اگرچہ ان کے اجتہاد کا نچوڑ تھیں، لیکن وہ فتویٰ کی شکل میں نہ تھیں بلکہ حدیث و روایت کی کتاب کی صورت میں تھیں۔ اب ہم اپنی بحث کا آغاز غیبت صغریٰ کے زمانے کے ابتدائی مفتیوں کے ذکر سے کررہے ہیں۔

۱۔ علی بن بابویہ قمی۔ آپ نے ۳۲۹ھ میں وفات پائی اور شہر قم میں دفن ہوئے ہیں۔ آپ شیخ محمد بن علی بابویہ کے والد ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور شہر رے کے نزدیک دفن ہیں۔ بیٹا محدث ہے اور باپ فقیہ وصاحب فتویٰ۔ عام طور پر باپ بیٹے ''صدوقین'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۲۔ عیاشی سمرقندی۔ اس دور کے ایک دوسرے مشہور وفقیہ۔ علی بن بابویہ قمی کے ہم عصر بھی ہیں، بلکہ زمانے کے لحاظ سے ذرا ان پر تقدم بھی رکھتے ہیں اور مشہور تفسیر کے مصنف ہیں۔ وہ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ اگرچہ ان کی شہرت تفسیر کی وجہ سے ہے لیکن وہ فقہاء کی صف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے مختلف علوم، من جملہ فقہ میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ ابن ندیم الفہرست میں لکھتے ہیں: ان کی کتابیں خراسان میں بہت زیادہ رائج ہیں۔ اس کے باوجود ہم نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کسی نے فقہ میں ان کا نظریہ نقل کیا ہو۔ ان کی فقہی کتابیں معدوم ہوچکی ہیں۔

عیاشی پہلے سنی تھے اور بعد میں شیعہ ہوگئے۔ انہیں اپنے والد کی میراث میں بڑی دولت ملی تھی مگر انہوں نے سب کچھ کتابیں اکٹھا کرنے، ان کی نقل بنوانے اور شاگردوں کی تربیت پر خرچ کردیا۔

بعض لوگوں نے جعفر بن قولویہ کو جو شیخ مفید کے استاد تھے (فقہ میں) علی بن بابویہ کے ہم عصر اور فطری طور پر غیبت صغریٰ کے فقہاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: جعفر بن قولویہ، سعد بن عبداللہ اشعری کے شاگرد تھے، لیکن چونکہ وہ شیخ مفید کے استاد تھے اور ۳۶۷ھ یا ۳۶۸ھ میں مرحوم ہوئے ہیں، لہٰذا انہیں علی بن بابویہ کا ہمعصر اور غیبت صغریٰ کے علماء میں نہیں شمار کیا جاسکتا۔ ان کے والد محمد ابن قولویہ، غیبت صغریٰ کے علماء میں سے ضرور ہیں۔

۳۔ ابن ابی عقیل عمانی۔ کہتے ہیں کہ وہ یمنی ہیں۔ عمان بحر یمن کا ساحل ہے۔ ان کی تاریخ وفات کا پتہ نہیں، لیکن وہ غیبت صغریٰ کے ابتدائی زمانے میں زندگی بسر کرتے تھے۔

بحرالعلوم کا بیان ہے کہ وہ جعفر بن قولویہ کے استاد تھے اور جعفر بن

قولویہ، شیخ مفید کے استاد تھے۔ یہ قول مذکورہ بالا قول کی نسبت، جس میں جعفر بن قولویہ کو علی بن بابویہ کا ہم عصر بتایا گیا تھا، تحقیق سے زیادہ قریب ہے۔ فقہ میں ابن ابی عقیل کے نظریات بہت نقل ہوئے ہیں۔ ان کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جن کا نام فقہ میں بار بار نظر آتا ہے۔

۴۔ ابن جنید اسکافی۔ شیخ مفید کے اساتذہ میں سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی ہے اور ان کی تالیفات کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ فقہاء، ابن جنید اور ابن ابی عقیل کو ''القدیمین'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فقہ میں ابن جنید کے نظریات ہمیشہ کی طرح آج بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

۵۔ شیخ مفید۔ آپ کا نام محمد بن محمد ابن نعمان ہے۔ متکلم بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ ابن ندیم الفہرست کے پانچویں مقالہ کے دوسرے فن میں جہاں وہ شیعہ متکلمین کا تذکرہ کرتے ہیں، انہیں ابن المعلم کے لقب سے یاد کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ آپ ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۱۳ھ میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب مقنعہ ہے جو چھپ چکی ہے اور آج بھی موجود ہے۔ شیخ مفید اسلامی دنیا میں شیعوں کے انتہائی درخشاں چہروں میں شمار ہوتے ہیں۔

ابویعلی جعفری نے جو کہ شیخ مفید کے داماد ہیں، کہا ہے کہ شیخ مفید راتوں کو بہت کم سوتے تھے۔ بقیہ حصہ نماز، مطالعہ، درس یا تلاوت قرآن میں گزارتے تھے۔ شیخ مفید، ابن ابی عقیل کے شاگرد کے شاگرد ہیں۔

۶۔ سید مرتضی المعروف بہ علم الہدیٰ۔ آپ ۳۵۵ھ میں پیدا اور ۴۳۶ھ میں مرحوم ہئے۔ علامہ علی نے آپ کو امامیہ شیعہ کا معلم کہا ہے۔ آپ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ادیب بھی تھے اور متکلم و فقیہ بھی۔ آپ کے فقہی

نظریات، فقہاء کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہورر کتابوں میں ایک انتصار ہے اور دوسری جمل العلم والعمل ہے۔ آپ اور آپ کے بھائی سید رضی (نہج البلاغہ کے جامع) نے شیخ مفید کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے۔

سبق نمبر ۳

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۲)

۷۔ شیخ ابوجعفر طوسی، مشہور بہ شیخ الطائفہ۔ اسلامی دنیا کے انتہائی روشن ستاروں میں شمار ہتے ہیں۔ فقہ، اصول، حدیث، تفسیر، کلام اور رجال میں آپ کی بہت سی تالیفات ہیں۔ آپ خراسان کے باشندہ ہیں۔ ۳۸۵ھ میں ولادت ہوئی اور ۴۰۸ھ میں ۲۳ سال کی عمر میں اس زمانے کے اسلامی علوم و ثقافت کے عظیم مرکز بغداد کی جانب ہجرت فرمائی اور عمر کے آخری لحات تک عراق میں مقیم رہے۔
آپ کے استاد سید مرتضیٰ کے بعد شیعوں کی فتوائی و علمی قیادت آپ کے سپرد ہوئی۔

آپ نے پانچ سال شیخ مفید کے پاس درس پڑھا ہے۔ برسوں شیخ مفید کے جید شاگرد سید مرتضیٰ کے حضور سے استفادہ کیا۔ آپ کے استاد سید مرتضیٰ نے ۴۳۶ھ میں وفات پائی ہے اور آپ اپنے استاد کے بعد ۲۴ سال تک زندہ رہے۔

سید مرتضیٰ کے بعد ۱۲ سال تک آپ بغداد میں مقیم رہے لیکن بعد میں کچھ فسادات اور بلووں کی وجہ سے، جس میں آپ کا گھر اور کتب خانہ نذر آتش کر دیا گیا بغداد سے ہجرت کر کے نجف چلے آئے اور وہاں ایک حوزہ علمیہ کی بنیاد رکھی۔ ۴۶۰ھ میں وہیں وفات پائی۔ نجف میں آپ کی قبر مشہور ہے۔

فقہ میں شیخ طوسی کی النھایہ نامی ایک کتاب ہے جو ماضی میں درسی نصاب کی کتاب تھی۔ ان کی دوسری کتاب کا نام مبسوط ہے، جس نے فقہ کو ایک نئے مرحلے میں داخل کر دیا ہے اور اپنے زمانے میں شیعہ کی مفصل ترین کتاب رہی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب الخلاف ہے۔ اس کتاب میں آپ نے شیعہ و سنی دونوں فرقوں کے فقہی نظریات بیان کیے ہیں۔ فقہ میں شیخ طوسی کی دوسری کتابیں بھی ہیں۔ تقریباً ایک صدی تک اگر متقدمین صرف ''شیخ'' کہتے تھے تو اس سے مراد شیخ طوسی ہی ہوتے تھے اور اگر ''شیخان'' کہتے تھے تو اس سے مراد شیخ مفید اور شیخ طوسی ہوتے تھے۔

شیخ طوسی ان چند مشہور شخصیتوں میں سے ہیں جن کا نام شروع سے آخر تک پوری فقہ میں لیا جاتا ہے۔ شیخ طوسی کا خاندان کئی نسل تک علماء و فقہا سے تعلق رکھتا رہا ہے۔ آپ کے بیٹے شیخ ابوعلی ملقب بہ مفید ثانی جلیل القدر فقیہ ہیں۔ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۸۹ کی روایت کے مطابق ان کی امالی نامی کتاب ہے اور اپنے والد کی کتاب النھایہ کی شرح بھی لکھی ہے۔

کتاب لؤلؤ البحرین کی روایت کے مطابق شیخ طوسی کی صاحبزادیاں فقیہ و فاضلہ تھیں۔ شیخ ابوعلی کے ایک فرزند شیخ ابوالحسن محمد ہیں۔ موصوف اپنے والد ابوعلی کے بعد حوزہ علمیہ کی قیادت و مرجعیت کے ذمہ دار قرار پائے۔ کتاب شذرات الذھب فی اخبار من ذھب جلد ۴ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷ میں ابن عماد حنبلی کی روایت کے مطابق، اس عظیم شخصیت کے زمانے میں شیعہ دینی طالب علم دور دور سے آپ کے پاس آتے تھے۔ وہ خود بڑے پارسا اور زاہد و عالم شخص تھے۔ عماد طبری کا بیان ہے کہ اگر غیر انبیاء پر صلوات جائز ہوتی تو میں اس شخص پر صلوات

بھیجتا۔انہوں نے ۵۴۰ھ میں وفات پائی ہے۔[1]

۸۔قاضی عبدالعزیز حلبی معروف بہ ابن البراج۔ سید مرتضی اور شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ شیخ طوسی کی طرف سے اپنے وطن شام بھیجے گئے۔ شام کے شہر طرابلس میں بیس سال تک قاضی تھے۔ ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی جن فقہی کتابوں کا نام زیادہ لیا جاتا ہے، ان میں ایک مذھب اور دوسری جواہر ہے۔

۹۔شیخ ابوالصلح حلبی۔ وہ بھی شامات کے رہنے والے ہیں۔ سید مرتضیٰ و شیخ طوسی کے شاگرد ہیں اور ایک سو برس عمر پائی ہے۔ **ریحانة الادب** میں ہے کہ وہ سالار بن عبدالعزیز (جن کا ذکر آگے آئے گا) بھی شاگرد تھے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو ابو الصلاح نے تین طبقوں کی شاگردی اختیار کی ہوگی۔ فقہ میں مشہور کتاب کافی ہے۔ آپ نے ۴۴۷ھ میں وفات پائی ہے۔ اگر ان کی عمر سو سال ہو اور انہوں نے ۴۴۷ھ میں وفات پائی ہو تو وہ اپنے دونوں استادوں سے بڑے تھے۔ شہید ثانی نے انہیں خلیفة المرتضی فی البلاد الحلبیہ (حلب کے شہروں میں سید مرتضیٰ کا جانشین) کہا ہے۔

۱۰۔حمزہ بن عبدالعزیز دیلمی معروف بہ سلار دیلمی۔ انہوں نے ۴۴۸ھ سے ۴۶۳ھ کے درمیان وفات پائی۔ وہ ایران کے باشندے اور شیخ مفید و سید مرتضیٰ کے شاگرد ہیں۔ تبریز کے علاقے خسرہ شاہ میں وفات پائی ہے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب مراسم ہے۔ سالار اگر چہ شیخ طوسی کے شاگرد نہیں ہیں، بلکہ ان کے

---

[1] شیخ ابو علی کے فرزند شیخ ابوالحسن سے متعلق کچھ حصہ میں نے اس یادداشت سے نقل کیا ہے جسے حبیب مکرم، محترم دانشور جناب شیخ نصر اللہ شبستری تبریزی نے تحریر فرمایا ہے اور انہوں نے رجال شیخ طوسی پر علامہ سید محمد صادق آل بحر العلوم کے مقدمہ سے نقل کیا ہے۔

ہم طبقہ ہیں، لیکن اس کے باوجود محقق علی نے کتاب ''المعتبر'' کے مقدمہ میں انہیں ''ابن البراج'' اور ابوالصلاح حلبی کو ''اتباع الثلاثة'' کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ یعنی انہیں پیرووٴں میں شمار کیا ہے جس سے بظاہر ان کا مقصد یہ ہے کہ تین افراد دوسری تین اشخاص (شیخ مفید، سید مرتضیٰ، شیخ طوسی) کے پیرو ہیں۔

۱۱۔سید ابوالمکارم ابن زہرہ۔ حدیث میں ایک واسطہ سے شیخ الطائفہ کے بیٹے ابوعلی سے روایت کرتے ہیں اور فقہ میں چند واسطوں سے شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ حلب کے رہنے والے ہیں اور ۵۸۵ھ میں وفات پائی ہے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب غنیّہ ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں جب بھی حلبیان کہا جاتا ہے تو اس سے مراد ابوالصلاح حلبی اور ابن زہرہ حلبی ہوتے ہیں اور جب کبھی حلبیون (صیغہ جمع کے ساتھ استعمال ہوتا ہے تو اس سے مقصود ان دو افراد کے ساتھ ابن البراج بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی حلب کے رہنے والے ہیں۔ کتاب مستدرک جلد ۳ ص ۵۰۶ میں شیخ طوسی کے حالات کے ضمن میں بیان ہونے والی باتوں کے مطابق ابن زہرہ نے شیخ طوسی کی کتاب ''النہایہ'' ابوعلی حسن ابن الحسین معروف بہ ابن الحاجب حلبی کے پاس پڑھی ہے۔ ابن الحاجب نے یہ کتاب نجف میں ابوعبداللہ زینوبادی سے اور انہوں نے شیخ رشیدالدین علی بن زیرک قمی اور سید ابی ہاشم حسینی سے اور ان دونوں نے شیخ عبدالجبار رازی سے پڑھی ہے اور شیخ عبدالجبار، شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔ اس نقل کے مطابق ابن زہرہ چار واسطوں سے شیخ طوسی کے شاگرد ہیں۔

۱۲۔ابن حمزہ طوسی معروف بہ عماد الدین طوسی۔ شیخ طوسی کے شاگردوں کے ہم طبقہ ہیں۔ بعض لوگوں نے انہیں شیخ طوسی کے شاگردوں کے شاگردوں کا ہم طبقہ جانا ہے اور بعض لوگوں نے ان کے عصر کو اور بھی زیادہ متاخر بتایا ہے جو مزید تحقیق کا محتاج ہے۔

ان کی وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ شاید چھٹی صدی کے نصف دوم میں وفات پائی ہے۔ خراسان کے باشندے ہیں اور فقہ میں ان کی مشہور کتاب کا نام وسیلہ ہے۔

۱۳۔ ابن ادریس حلی۔ عظیم شیعہ علماء میں سے ہیں۔ وہ خود عرب ہیں اور شیخ طوسی ان کے مادری جد ہیں۔ (البتہ کئی واسطے سے۔) ان کی آزاد فکری مشہور ہے۔ انہوں نے اپنے جد شیخ طوسی کی ہیبت وصولت کا طلسم توڑا ہے۔ وہ علماء وفقہاء پر توہین کی حد تک تنقید کرتے تھے۔ ۵۹۸ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ فقہ میں ان کی مشہور ونفیس کتاب کا نام سرائر ہے۔ کہتے ہیں ابن ادریس، سید ابوالمکارم ابن زہرہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ لیکن ابن ادریس نے السرائر کی کتاب الودیعہ میں جو تعبیریں استعمال کی ہیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ ابو المکارم بن زہرہ کے فقط ہم عصر تھے، ان سے ملاقات کی ہے اور بعض مسائل میں ان کے درمیان خط وکتابت بھی ہوئی ہے۔

۱۴۔ شیخ ابوالقاسم جعفر بن حسن بن یحیٰ بن سعید حلی معروف بہ محقق۔ آپ نے فقہ میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ چند کتابوں کے نام ملاحظہ فرمائیں: شرائع، معارج، معتبر، المختصر النافع وغیرہ۔ محقق حلی ایک واسطہ سے ابن زہرہ اور ابن ادریس کے شاگرد ہیں۔ کتاب الکنی والالقاب میں ابن نما کے احوال میں ہے کہ محقق کرکی نے محقق حلی کے اوصاف میں لکھا ہے: محقق (حلی) کے اساتذہ کے درمیان اعلم، محمد بن نما حلی ہیں اور ان کے سب سے اہم استاد ابن ادریس حلی ہیں۔

بظاہر محقق کرکی کا مقصد یہ ہے کہ ابن نما کے سب سے اہم اور عظیم استاد، ابن ادریس ہیں۔ کیونکہ ابن ادریس نے ۵۹۸ھ میں وفات پائی اور محقق (حلی) نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی ہے۔ یقیناً محقق علی نے ابن ادریس کے حلقہ درس میں

شرکت نہیں کی ہے۔ ریحانۃ الادب میں ہے کہ محقق علی اپنے جد، والد، سید فخار بن معد موسوی اور ابن زہرہ کے شاگرد ہیں۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ محقق نے ابن زہرہ، جنہوں نے ۵۷۵ھ میں وفات پائی ہے، کا زمانہ درک نہیں کیا۔ بعید نہیں کہ محقق (علی) کے والد ابن زہرہ کے شاگرد رہے ہوں۔

جیسا کہ بعد میں اس کا ذکر آئے گا کہ محقق حلی علامہ حلی کے استاد ہیں۔ فقہ میں کسی کو ان پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ فقہاء کی اصطلاح میں جب کبھی بطور مطلق، محقق کہا جائے تو اس سے مراد محقق حلی ہی ہوتے ہیں۔ عظیم ریاضی داں اور فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی نے آپ سے حلہ میں ملاقات کی ہے اور آپ کے درس فقہ میں شریک رہے ہیں۔ محقق کی کتابیں خاص طور سے شرائع، دینی طلبہ کے نصاب درس میں شامل تھی اور آج بھی ہے۔ بہت سے فقہاء نے محقق کی کتابوں کی شرح کی ہے یا ان پر حاشیہ لکھا ہے۔

۱۵۔ حسن بن یوسف بن علی بن مطہر حلی معروف بہ علامہ حلی۔ آپ کا شمار عجائب روزگار میں ہوتا ہے۔ فقہ، اصول، کلام، منطق، فلسفہ اور رجال وغیرہ میں کتابیں لکھی ہیں۔ اب تک آپ کی تقریباً سو مطبوعہ وقلمی کتابوں کا سراغ لگ سکا ہے۔ آپ کی بعض کتابیں جیسے تذکرۃ الفقہاء وغیرہ آپ کی غیر معمولی صلاحیت اور نبوغ کی نشان دہی کے لئے کافی ہیں۔ فقہ میں علامہ کی بہت سی کتابیں ہیں اور محقق حلی کی کتابوں کی طرح آپ کی اکثر کتابوں پر بھی بعد کے علماء نے شرح یا حاشیہ لکھا ہے۔ علامہ کی مشہور فقہی کتابیں یہ ہیں: ارشاد، تبصرۃ المتعلمین، قواعد، تحریر، تذکرۃ الفقہاء، مختلف الشیعہ، منتہیٰ۔ علامہ کے بہت سے استاد ہیں۔ وہ فقہ میں اپنے ماموں محقق حلی اور فلسفہ ومنطق میں خواجہ نصیر الدین طوسی کے شاگرد ہیں۔ اہل سنت کی فقہ خود سنی علماء سے پڑھی ہے۔ علامہ ۶۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۶ھ میں

ان کی وفات ہوئی۔

۱۶۔فخر المحققین۔علامہ حلی کے فرزند ہیں۔ ۶۸۲ھ میں پیدا ہئے اور ۷۷۱ھ میں وفات پائی۔علامہ حلی نے تذکرۃ الفقھاء اور قواعد کے مقدمہ میں اپنے فرزند کا ذکر بڑی عظمت واحترام کے ساتھ بہت کیا ہے اور قواعد کے آخر میں یہ آرزو کی ہے کہ ان کا بیٹا ان کے بعد ادھورے کاموں کو پورا کرے۔فخر المحققین کی ایضاح الفواعد فی شرح مشکلات القواعد نامی ایک کتاب ہے۔ایضاح میں موجود فخر المحققین کے نظریات کو فقہی کتابوں میں اہمیت دی جاتی ہے۔

۱۷۔محمد بن مکی معروف بہ شہید اول۔فخر المحققین کے شاگرد ہیں اور عظیم شیعہ فقہاء میں شمار ہتے ہیں۔آپ محقق حلی و علامہ حلی کے ہم پلہ ہیں۔جنوبی لبنان میں واقع تشیع کے قدیم ترین علاقے جبل عامل کے باشندے ہیں۔یہ جگہ آج بھی تشیع کا ایک مرکز ہے۔شہید اول ۷۳۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۸۶ھ میں ایک مالکی فقیہ کے فتویٰ اور شافعی فقیہ کی تائید وتصدیق سے شہید کئے گئے۔آپ علامہ حلی کے شاگردوں منجملہ فخر المحققین کے شاگرد ہیں۔فقہ میں شہید اول کی مشہور کتاب ''اللمعہ'' ہے جسے آپ نے نہایت مختصر سے وقت میں اسی قید میں تحریر فرمایا ہے جو آپ کی شہادت پر ختم ہوئی اور عجیب یہ ہے کہ دوصدی کے بعد اس کتاب کی شرح اس عظیم فقیہ نے لکھی جس کا انجام بھی مؤلف ہی جیسا ہوا۔یعنی انہیں بھی شہید کیا گیا اور شہید ثانی کے لقب سے سرفراز ہوئے۔''شرح لمعہ'' شہید ثانی ہی کی تالیف کردہ ہے۔یہ کتاب ہمیشہ دینی طلباء کے نصاب درس میں شامل رہی ہے۔شہید اول کی دوسری کتابیں یہ ہیں: دروس، ذکری، بیان، الفیہ، قواعد۔آپ کی تمام کتابیں فقہی آثار کا بہترین نمونہ ہیں۔محقق وعلامہ حلی کی کتابوں کی طرح شہید اول کی کتابوں پر بہت سے فقہاء نے شرح وحاشیہ لکھا ہے۔

شیعہ فقہاء کے درمیان مذکورہ تینوں شخصیات یعنی محقق حلی، علامہ حلی اور شہید اول جو ساتویں اور آٹھویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں، کی کتابوں نے فقہی متن کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور دوسرے لوگوں نے ان کی شرح لکھی ہے یا ان پر حاشیہ لگایا ہے۔ہمیں کوئی اور ایسا فقیہ نظر نہیں آتا جس کے آثار کو اتنی اہمیت دی گئی ہو۔صرف گزشتہ صدی میں شیخ انصاری، جن کی وفات کو تقریباً ۱۳۰ سال گزر رہے ہیں، کی دو کتابوں کو یہ درجہ حاصل ہوا ہے۔

شہید اول کا خاندان، علم وفضل وفقہ کا خاندان تھا اور کئی نسل تک یہ شرف محفوظ رہا ہے۔شہید کے تین بیٹے تھے اور تینوں عالم وفقیہ تھے۔اسی طرح آپ کی بیوی ام علی اور بیٹی ام الحسن بھی فقیہ تھیں۔شہید عورتوں کو بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں ان ہی باعظمت خواتین کے پاس بھیجتے تھے۔کتاب ریحانۃ الادب میں ہے کہ بعض بزرگوں نے شہید کی بیٹی فاطمہ کو ''شیخہ'' اور ''ست المشائخ'' یعنی سیدۃ المشائخ کا لقب دیا ہے۔

۱۸۔فاضل مقداد۔حلہ کے ایک دیہات ''سیور'' کے رہنے والے تھے۔شہید اول کے جید شاگردوں میں شمار ہوتے تھے۔فقہ میں ان کی مشہور کتاب جو چھپ چکی ہے اور آج بھی دسترس میں ہے، کنز العرفان ہے۔یہ کتاب آیات الاحکام ہے۔یعنی اس کتاب میں قرپن مجید کی ان آیتوں کی تفسیر کی گئی ہے اور فقہی انداز میں ان سے استدلال کیا گیا ہے، جن سے فقہی مسائل کا استنباط کیا جاتا ہے اور جو فقہ میں بیان ہوتی ہیں۔آیات الاحکام میں شیعہ وسنی کے یہاں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن فاضل مقداد کی کنز العرفان اس سلسلے کی بہترین کتاب ہے یا بہترن کتابوں م یں سے ایک ہے۔فاضل مقداد نے ۸۲۶ھ میں وفات پائی ہے۔لہٰذا انہیں نویں صدی ہجری کے علماء میں شمار کیا گیا ہے۔

۱۹۔ جمال السالکین ابوالعباس احمد بن فہد حلی اسدی۔ آپ ۷۵۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۴۱ھ میں وفات پائی۔ شہید اول اور فخر المحققین کے شاگردوں کے طبقہ میں ہیں۔ ان کے حدیث کے مشائخ، فاضل مقداد، شیخ علی بن الخازن فقیہ اور شیخ بہاء الدین علی بن عبدالکریم ہیں۔ بظاہر موصوف کے فقہی اساتذہ بھی یہی حضرات ہیں۔ ابن فہد معتبر فقہی کتابوں کے مولف ہیں جس میں المہذب البارع جو محقق حلی کی مختصر النافع کی شرح ہے، علامہ کی ارشاد کی شرح المقتصر اور شہید اول کی الفیہ کی شرح زیادہ مشہور ہیں۔ ابن فہد کی زیادہ تر شہرت اخلاق اور سیر وسلوک میں ہے۔ اس سلسلے میں ان کی مشہور کتاب عدۃ الداعی ہے۔

۲۰۔ شیخ علی بن ہلال جزائری۔ زاہد، متقی، جامع معقول ومنقول ہیں۔ ان کے روایت کے استاد ابن فہد حلی ہیں۔ بعید نہیں ہے کہ وہ وہی فقہ کے بھی استاد ہوں۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے میں شیعوں کے سربراہ اور شیخ الاسلام رہے ہیں۔ ان کے شاگرد محقق کرکی نے فقیہ وشیخ الاسلام کے عنوان سے ان کی تعریف کی ہے۔ ابن ابی جمہور احسائی نے بھی فقہ ان ہی کے پاس پڑھی ہے۔

سبق نمبر ۴

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۳)

۲۱۔ شیخ علی بن عبدالعالی کرکی معروف بہ محقق کرکی یا محقق ثانی۔ آپ جبل عامل کے فقہاء میں سے ہیں اور شیعہ فقہاء کے درمیان بڑی عظمت کے مالک ہیں۔ شام وعراق میں اپنی تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد (شاہ طہماسب اول کے زمانے میں) ایران آئے اور یہاں پہلی مرتبہ شیخ الاسلامی کا منصب انہیں سونپا گیا۔ محقق کرکی کے بعد یہ منصب ان کے شاگرد شیخ علی منشار (شیخ بہائی کے خسر) کو ملا اور ان کے بعد یہ منصب شیخ بہائی کو دیا گیا۔ شاہ طہماسب نے محقق کرکی کے نام جو مشہور فرمان لکھا ہے، اس میں آپ کو تمام اختیارات سونپ دیئے اور درحقیقت محقق کرکی کو تمام اختیارات کا مالک اور اپنے کو ان کا نمائندہ جانا ہے۔ آپ کی مشہور کتاب جس کا فقہ میں بڑا چرچا ہے جامع المقاصد ہے۔ یہ کتاب علامہ حلی کی قواعد کی شرح ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ محقق حلی کی مختصر النافع وشرائع اور علامہ حلی وشہید اول کی چند کتابوں پر حاشیہ بھی لگایا ہے یا ان کی شرح لکھی ہے۔

ایران میں محقق ثانی کی آمد اور قزوین پھر اصفہان میں حوزہ علمیہ کی تشکیل نیز فقہ میں جید شاگردوں کی تربیت باعث ہوئی کہ ایران عصر صدوقین کے بعد ایک

مرتبہ پھر شیعہ فقہ کا مرکز بن گیا۔ محقق کرکی نے ۹۳۷ھ اور ۹۴۱ھ کے درمیان وفات پائی۔ محقق کرکی علی بن ہلال جزائری کے شاگرد اور وہ ابن فہد علی کے شاگرد تھے اور ابن فہد حلی شہید اول کے شاگردوں، جیسے فاضل مقداد، کے شاگرد تھے۔ لہٰذا وہ دو واسطوں سے شہید اول کے شاگرد ہیں۔ محقق حلی کے فرزند شیخ عبدالعالی بن علی عبدالعالی بھی شیعہ فقہاء میں سے ہیں۔ انہوں نے علامہ کی ارشاد اور شہید کی الفیہ کی شرح لکھی ہے۔

۲۲۔ شیخ زین الدین معروف بہ شہید ثانی۔ آپ کا شمار صف اول کے شیعہ فقہاء میں ہوتا ہے۔ آپ ایک جامع شخصیت کے مالک اور مختلف علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ جبل عامل کے باشندہ تھے۔ آپ کی چھٹی پشت کے جد، صالح ہیں جو علامہ حلی کے شاگرد تھے۔ بظاہر وہ طوس کے باشندہ تھے۔ اسی لئے شہید ثانی بعض اوقات الطوسی الشامی کے عنوان سے دستخط فرماتے تھے۔ شہید ثانی ۹۱۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۶۶ھ میں شہید ہوئے۔ آپ نے بہت سفر کیا اور بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ مصر، حجاز، دمشق، بیت المقدس، عراق اور استنبول تک گئے اور ہر خرمن سے خوشہ چینی کی۔ آپ کے صرف سنی اساتذہ کی تعداد بارہ ہے۔ اسی وجہ سے آپ ایک جامع شخصیت کے مالک تھے۔ فقہ واصول کے علاوہ فلسفہ، عرفان طب اور نجوم سے بھی واقف تھے۔ بہت بڑے پایہ کے زاہد و متقی تھے۔ آپ کے شاگردوں نے آپ کے حالات کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ معلمی کے زمانے میں رات کو اپنے کنبہ کا خرچ پورا کرنے کے لیے لکڑیاں ڈھوتے اور دن میں پڑھاتے تھے۔ ایک مدت تک بعلبک میں پانچ مذاہب (جعفری، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی فقہ پڑھاتے رہے ہیں۔ شہید نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہورترین کتاب شرح لمعہ ہے (شہید اول کی

لمعہ کی شرح اور دوسری کتاب مسالک الافہام ہے۔ یہ بھی محقق حلی کی شرائع کی شرح ہے۔ شہید ثانی نے محقق کرکی سے (ان کے ایران آنے سے پہلے) تعلیم حاصل کی ہے۔ شہید ثانی ایران نہیں آئے ہیں۔ مشہور شیعہ عالم، صاحب معالم الاصول آپ ہی کے فرزند ہیں۔

۲۳۔ احمد بن محمد اردبیلی معروف بہ مقدس اردبیلی۔ آپ زہد وتقویٰ میں ضرب المثل ہیں اور شیعہ محقق فقہاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ محقق اردبیلی نجف اشرف میں مقیم تھے اور شاہان صوفیہ کے ہم عصر ہیں۔ کہتے ہیں کہ شاہ عباس کا بڑا اصرار تھا کہ آپ ایران تشریف لائیں لیکن آپ نے منظور نہیں کیا۔ شاہ عباس کی بڑی خواہش تھی کہ مقدس اردبیلی اس سے کوئی خدمت لیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ اتفاق پیش آیا کہ کوئی شخص کسی جرم کی بناء پر ایران سے بھاگ کر نجف آیا اور مقدس اردبیلی سے درخواست کی کہ آپ شاہ عباس سے مجھے معاف کروا دیں۔ چنانچہ مقدس نے شاہ عباس کو اس مضمون کا ایک خط لکھا:

ملک عاریت کا بانی عباس یہ جان لے کہ یہ شخص اگرچہ پہلے ظالم تھا، لیکن اب مظلوم نظر آتا ہے۔ اگر تو اس کی غلطیوں کو معاف کر دے تو شاید خدا بھی تیری ''کچھ'' غلطیاں معاف کردے۔ بندہ شاہ ولایت، احمد اردبیلی۔

شاہ عباس نے جواب میں لکھا:

عرض کرتا ہوں کہ جس خدمت کا آپ نے حکم دیا تھا، عباس نے اسے اپنے اوپر احسان سمجھتے ہوئے انجام دے دیا ہے۔ امید ہے کہ اس محب کو دعائے

خیر سے فراموش نہیں فرمائیں گے۔کلب آستانہ علی۔عباس۔[1]

مقدس اردبیلی کا ایران نہ آنا، باعث ہوا کہ اصفہان کے حوزہ علمیہ کے مقابلے میں حوزہ علمیہ نجف ایک دوسرے مرکز کی حیثیت سے پھر زندہ ہو جائے۔ جس طرح شہید ثانی، ان کے بیٹے شیخ حسن صاحب معالم اور ان کے بھانجے سید محمد صاحب مدارک کا جبل عامل سے ہجرت کر کے ایران نہ آنا، شام اور جبل عامل کے حوزہ علمیہ کی بقاء کا باعث بنا اور یہ حوزہ ہائے علمیہ ٹوٹتے ٹوٹتے بچ گئے۔ صاحب معالم اور صاحب مدارک نے صرف اس لیے کہ کہیں ایران آ کر مروت اور شرما حضوری میں ایران میں رکنے پر مجبور نہ ہو جائیں، امام رضاؑ کی زیارت سے بھی چشم پوشی اختیار کی، اگرچہ وہ زیارت کے سخت مشتاق تھے۔

ہمیں ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مقدس اردبیلی نے فقہ کی تعلیم کہاں اور کس سے حاصل کی۔ بس اتنا ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے شہید ثانی کے شاگردوں سے فقہ پڑھی ہے۔ شہید ثانی کے فرزند (صاحب معالم) اور ان کے نواسے (صاحب مدارک) نجف میں ان کے شاگرد تھے۔ کتاب زندگی جلال الدین دوانی کے مصنف لکھتے ہیں:

ملا احمد اردبیلی مولانا عبداللہ شوشتری، مولانا عبداللہ یزدی، خواجہ افضل الدین ترکہ، میر فخر الدین ہماکی، شاہ ابو محمد شیرازی، مولانا میرزا جان اور میر فتح شیرازی، خواجہ جمال الدین محمود کے شاگردوں میں سے تھے اور وہ محقق جلال

[1] یہ واقعہ اگرچہ معتبر کتابوں میں موجود ہے لیکن مقدس اردبیلی کی وفات اور شاہ عباس کی تخت نشینی کے سن کے پیش نظر اس میں تامل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ محتاج تحقیق ہے۔

الدین دوانی کے شاگرد تھے۔[2]

لیکن بظاہر مقدس اردبیلی نے خواجہ جمال الدین محمود سے معقولات کی تعلیم حاصل کی ہے، نہ کہ منقولات کی۔

مقدس اردبیلی نے ۹۹۳ھ میں نجف اشرف میں وفات پائی۔ ان کی مشہور فقہی کتاب ایک شرح ارشاد ہے اور دوسری آیات الاحکام۔ آپ کے عمیق نظریات فقہاء کی توجہ کا مرکز ہیں۔

۲۴۔ شیخ بہاء الدین محمد عاملی معروف بہ شیخ بہائی۔ آپ بھی جبل عامل کے رہنے والے تھے۔ بچپنے میں اپنے والد شیخ حسین ابن عبدالصمد، جو شہید ثانی کے شاگرد ہیں کے ہمراہ ایران آ گئے۔ چونکہ آپ نے مختلف ملکوں کا سفر کیا ہے، مختلف علوم میں بہت سے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور غیر معمولی استعداد و صلاحیت رکھتے تھے، لہٰذا آپ ایک جامع شخصیت کے مالک بنے اور مختلف قسم کی کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔ آپ ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ فلسفی بھی تھے اور ریاضی داں بھی۔ انجینئر بھی تھے اور فقیہ بھی۔ طبیب بھی تھے اور مفسر بھی۔ آپ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی زبان میں غیر استدلالی فقہی احکام کا پورا دورہ رسالہ عملیہ کی شکل میں لکھا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو آج جامع عباسی کے نام سے مشہور ہے۔

چونکہ فقہ شیخ بہائی کا تخصصی موضوع نہ تھا اس لیے آپ کو صف اول کے فقہاء میں شمار نہیں کیا جاتا۔ آپ نے بہت سارے شاگردوں کی تربیت کی ہے۔ ملا صدرا شیرازی، ملا محمد تقی مجلسی اول، صاحب کتاب بحار الانوار علامہ مجلسی دوم کے

[2] زندگی جلال الدین دوانی۔ تالیف فاضل محترم جناب علی دوانی

والد، محقق سبزواری اور صاحب آیات الاحکام فاضل جواد آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں، ایران میں شیخ الاسلامی کا منصب محقق کرکی کے بعد شیخ بہائی کے خسر شیخ علی منشار کو ملا اور ان کے بعد شیخ بہائی کو سونپا گیا۔ شیخ بہائی کی بیوی، شیخ علی منشار کی بیٹی بھی ایک عالم وفقیہ خاتون تھیں۔ شیخ بہائی نے ۹۵۳ھ میں آنکھیں کھولیں اور ۱۰۳۰ یا ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی۔ ضمناً شیخ بہائی ایک سیاح شخص بھی تھے۔ آپ نے مصر، شام، حجاز، عراق، فلسطین، آذربائیجان اور ہرات کا سفر کیا تھا۔

۲۵۔ ملا محمد باقر سبزواری معروف بہ محقق سبزواری۔ آپ سبزوار کے باشندے تھے اور اصفہان کے مکتب میں، جو فقہی مکتب بھی تھا اور فلسفی بھی، پرورش پائی ہے۔ اسی لئے وہ جامع معقول ومنقول تھے۔ فقہی کتابوں میں ان کا نام بہت آتا ہے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب ایک ذخیرہ اور دوسری کفایہ ہے۔ کیونکہ وہ فلسفی بھی تھے، لہٰذا انہوں نے بوعلی سینا کی کتاب شفا کی الہیات پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ ۱۰۹۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ محقق سبزواری نے شیخ بہائی اور مجلسی اول کے سامنے بھی زانوئے ادب تہ کیا ہے۔

۲۶۔ آقا حسین خوانساری معروف بہ محقق خوانساری۔ آپ نے بھی اصفہان کے مکتب میں پرورش پائی ہے اور جامع معقول منقول ہیں۔ آپ محقق سبزواری کے بہنوئی ہیں۔ فقہ میں آپ کی مشہور کتاب کا نام مشارق الشموس ہے جو شہید اول کی کتاب دروس کی شرح ہے۔

محقق خوانساری نے ۱۰۹۸ھ میں وفات پائی۔ وہ محقق سبزواری کے ہم عصر تھے اس طرح وہ ملا محسن فیض کاشانی اور ملا محمد باقر مجلسی کے بھی معاصر ہیں۔ یہ دونوں حضرات عظیم محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔

۲۷۔ جمال المحققین معروف بہ آقا جمال خوانساری۔ آپ حسین خوانساری، جن کا ذکر گزر چکا ہے کے فرزند ہیں۔ باپ کی طرح جامع معقول و منقول ہیں۔ شرح لمعہ پر ان کا حاشیہ مشہور ہے۔ بوعلی سینا کی شفا کی طبیعات پر بھی ایک مختصر سا حاشیہ لگایا ہے جو شفا، طبع تہران (سنگی چھاپ) کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ آقا جمال دو واسطوں سے سید مہدی بحر العلوم کے استاد ہیں۔ کیونکہ وہ سید ابراہیم قزوینی کے استاد ہیں اور ابراہیم اپنے بیٹے سید حسین قزوینی کے استاد ہیں جو بحر العلوم کے اساتذہ میں سے ہیں۔

۲۸۔ شیخ بہاء الدین اصفہانی معروف بہ فاضل ہندی۔ آپ نے علامہ حلی کی قواعد کی شرح کی ہے اور اس کتاب کا نام کشف اللثام ہے۔ اسی مناسبت سے خود انہیں بھی ''کاشف اللثام'' کہا جاتا ہے۔ ان کے افکار ونظریات پر فقہاء کی بھرپور توجہ ہے۔ آپ نے ۱۱۳۷ھ میں فتنہ افغان کے دوران وفات پائی۔ فاضل ہندی بھی جامع معقول ومنقول تھے۔

۲۹۔ محمد باقر بن محمد اکمل بہبہانی معروف بہ وحید بہبہانی۔ آپ سید صدر الدین رضوی قمی شارح وافیہ کے شاگرد ہیں اور وہ آقا جمال خوانساری کے شاگرد ہیں۔

وحید بہبہانی صفوی دور کے بعد کے ہیں۔ صفویوں کے خاتمے کے بعد اصفہان کے حوزہ کی مرکزیت بھی ختم ہوگئی۔ بعض علماء وفقہاء منجملہ وحید بہبہانی کے استاد سید صدر الدین رضوی قمی فتنہ افغان کے باعث عتبات (نجف وکربلا) ہجرت کر گئے۔

وحید بہبہانی نے کربلا کو اپنا مرکز بنایا اور بہت سے شاگرد پروان چڑھائے۔ منجملہ سید مہدی بحر العلوم، شیخ جعفر کاشف الغطاء، میرزا ابو القاسم قمی

صحب کتاب قوانین، حاج ملا مہدی نراقی، سید علی صاحب ریاض (شرح کبیر)، میرزا مہدی شہرستانی، سید محمد باقی شفتی اصفہانی معروف بہ حجت الاسلام، میرزا مہدی شہید مشہدی، سید جواد صاحب مفتاح الکرامتہ، سید محسن اعرجی۔

اس کے علاوہ آپ نے پیہم جہاد کیا، اجتہاد کا دفاع، اخباریت، جو اس زمانے میں اوج پر تھی، کا مقابلہ اور اس کی شکست نیز بہت سے جید شاگردوں کی تربیت۔ یہ کارنامے سبب بنے کہ انہیں ''استاد الکل'' کے نام سے پکارا جائے۔ وہ تقویٰ میں حد کمال تک پہنچے ہوئے تھے اور آپ کے شاگرد آپ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ وحید بہبہانی کا نسب مجلسی اول سے ملتا ہے۔ یعنی وہ (چند واسطوں سے) مجلسی اول کے نواسے ہیں۔ وحید بہبہانی کی جدہ آمنہ بیگم، مجلسی اول کی بیٹی ہیں۔ آمنہ بیگم جن کی شادی ملا صالح مازندرانی سے ہوئی تھی، فاضلہ وفقیہ خاتون تھیں۔ باوجودیکہ ان کے شوہر ملا صالح ایک جید عالم تھے، لیکن بعض اوقات آمنہ بیگم اپنے دانشور شوہر کی علمی گتھیاں سلجھایا کرتی تھیں۔

۳۰۔ سید مہدی بحر العلوم۔ آپ وحید بہبہانی کے عظیم المرتبت وجلیل القدر شاگرد ہیں اور بڑے فقہاء کی صف میں شمار ہتے ہیں۔ فقہ میں ان کی نظم مشہور ہے۔ ان کے افکار ونظریات فقہاء کی نگاہ میں اہمیت رکھتے ہیں۔ بحر العلوم سیر و سلوک کی منزلیں طے کرنے کی وجہ سے شیعہ علماء کے نزدیک غیر معمولی احترام رکھتے ہیں اور انہیں درجہ عصمت سے قریب مانا جاتا ہے۔ ان کی بہت سی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کاشف الغطاء اپنے عمامہ کی تحت الحنک سے ان کی نعلین کا غبار صاف کیا کرتے تھے۔ بحر العلوم ۱۱۵۴ یا ۱۱۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۱۔ شیخ جعفر کاشف الغطاء۔ وحید بہبہانی اور ان کے شاگرد

سید مہدی بحر العلوم کے شاگرد ہیں۔ وہ عرب تھے اور فقہ میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ فقہ میں ان کی مشہور کتاب کا نام کشف الغطاء ہے۔ نجف میں رہتے تھے اور بہت سے شاگردوں کی تربیت کی ہے۔ سید جواد صاحب مفتاح الکرامہ اور شیخ محمد حسن صاحب جواہر الکلام، ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ کے چار بیٹے تھے۔ چاروں فقیہ ہوئے۔ کاشف الغطا فتح علی شاہ (قاچار) کے ہم عصر ہیں۔ کشف الغطاء کے مقدمہ میں اس کی تعریف کی ہے۔ ۱۲۲۸ھ میں وفات پائی ہے۔ فقہ میں کاشف الغطاء کے نظریات بڑی گہرائی اور باریکی کے حامل ہیں اور انہیں تعظیم کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔

سبق نمبر ۵

فقہ اور فقہاء کی مختصر تاریخ

(۴)

۳۲۔ شیخ محمد حسن۔ صاحب کتاب جواہر الکلام جو کہ محقق کی کتاب شرائع کی شرح ہے اور اسے شیعہ فقہ کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ آج کوئی یفقیہ اپنے کو جواہر الکلام سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ یہ کتاب بار بار سنگی چھاپ پر طبع ہو چکی ہے اور اب حرونی چھاپ اور وزیری سائز میں تقریباً پچاس جلدوں میں منظر عام پر آنے والی ہے۔ (آ چکی ہے۔م) ہر جلد میں تقریباً چار سو صفحے ہوں گے۔ یعنی کل ۲۰ ہزار صفحے۔ ''جواہر'' مسلمانوں کی عظیم ترین فقہی کتاب ہے اور اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اس کی ہر سطر میں علمی مطالب موجود ہیں اور اس کے صرف ایک صفحہ کے مطالعہ میں خاصا وقت صرف ہوتا ہے، یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس بیس ہزار صفحہ کی کتاب تالیف کرنے میں کتنا وقت اور توانائی صرف ہوئی ہوگی۔ آپ نے ۳۰ سال تک مسلسل محنت کی، جب کہیں یہ عظیم شاہکار وجود میں آ سکا۔ یہ کتاب آپ کی غیر معمولی استعداد، نبوغ، ہمت، ثبات قدم اور اپنے کام سے ایک انسان کے عشق و ایمان کی آئینہ دار ہے۔ صاحب جواہر، کاشف الغطاء کے شاگرد ہیں اور ان کے شاگرد سید جواد صاحب مفتاح الکرامہ ہیں اور نجف میں

خود ان کا حلقہ درس بڑا عظیم تھا۔ آپ نے بہت سے شاگردوں کی تربیت فرمائی ہے۔ صاحب جواہر عرب تھے اور اپنے زمانے میں پورے شیعوں کے مرجع قرار پائے۔ آپ نے ۱۲۶۶ھ میں (جو ایران میں ناصر الدین شاہ قاچار کی تخت نشینی کا زمانہ تھا) وفات پائی۔

۳۳۔ شیخ مرتضیٰ انصاری۔ آپ کا نسب، رسول خداؐ کے عظیم المرتبت صحابی جابر بن عبداللہ انصاری سے ملتا ہے۔ آپ دزفول میں پیدا ہوئے اور ۲۰ سال کی عمر تک اپنے والد کے پاس پڑھتے رہے۔ اس کے بعد والد کے ہمراہ عتبات (نجف و کربلا) تشریف لے گئے۔ جب وہاں کے علماء نے آپ کی غیر معمولی صلاحیت و ذہانت دیکھی تو ان کے والد سے کہا کہ انہیں یہاں سے نہ لے جایئے۔ آپ نے عراق میں چار سال تک قیام فرمایا اور وہاں کے بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اس کے بعد کچھ ناگوار حوادث کے پیش نظر وطن واپس چلے آئے۔ دو سال کے بعد پھر عراق گئے اور دو سال وہاں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایران واپس چلے آئے اور ایران کے مختلف شہروں میں مقیم علماء سے استفادہ کیا۔ چنانچہ مشہد کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے اور راستہ میں شہر کاشان میں ''مستند الشیعہ'' اور ''جامع السعادۃ'' کے مصنف اور حاج ملا مہدی نراقی کے فرزند حاج ملا احمد نراقی سے ملاقات کی۔ نراقی سے ملاقات نے آگے بڑھنے کے ارادہ کو کاشان میں قیام سے تبدیل کر دیا۔ تین سال تک کاشان میں ملا احمد نراقی سے استفادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد مشہد تشریف لے گئے اور پانچ ماہ وہاں قیام کیا۔ شیخ انصاری ایک مرتبہ اصفہان اور ایک مرتبہ بروجرد بھی گئے ہیں اور ان تمام سفروں کا مقصد اساتذہ سے ملاقات اور ان سے بہرہ مند ہونا تھا۔ تقریباً ۱۲۵۲ھ یا ۱۲۵۳ھ میں پخری مرتبہ عتبات گئے اور وہاں تدریس میں مشغول ہو گئے۔

صاحب جواہر کے بعد شیعوں کے مرجع قرار پائے۔

شیخ انصاری کو **خاتم الفقهاء و المجتهدین** کا لقب دیا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو فکر و نظر کی گہرائی میں کم نظیر ہیں۔ آپ نے علم اصول اور اس کے ساتھ فقہ کو ایک نئے مرحلہ میں داخل کر دیا۔ فقہ و اصول میں آپ نے کچھ ایسی جدت پیدا کی ہے، جس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی دو مشہور کتابیں ''رسائل'' و ''مکاسب'' دینی طلبہ کے نصاب درس میں شامل ہیں۔ آپ کے بعد کے علماء آپ ہی کے مکتب کے شاگرد و پیرو ہیں۔ آپ کے بعد آپ کی کتابوں پر بہت سے علماء نے حاشیے لگائے ہیں۔ محقق حلی و علامہ حلی اور شہید اول کے بعد شیخ انصاری وہ واحد شخص ہیں جن کے بعد ان کی کتابوں پر علماء حاشیہ لگا رہے ہیں یا ان کی شرح لکھ رہے ہیں۔

آپ کا زہد و تقویٰ بھی زبان زد خاص و عام اور ضرب المثل ہے اور اس کے بہت سے قصے بیان کیے جاتے ہیں۔ شیخ انصاری نے ۱۲۸۱ھ میں نجف میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔

۳۴۔ حاج میرزا محمد حسن شیرازی معروف بہ میرزا شیرازی بزرگ۔ آپ نے ابتداء میں اصفہان میں تعلیم حاصل کی، پھر نجف اشرف تشریف لے گئے اور وہاں صاحب جواہر کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد شیخ کے درس میں شرکت کی اور ان کے جید و صف اول کے شاگردوں میں شمار ہونے لگے۔ شیخ انصاری کے بعد شیعوں کے مرجع قرار پائے اور تقریباً ۲۳ سال تک سارے شیعوں کے واحد مرجع رہے۔ یہ آپ ہی تھے جنھوں نے تمباکو کو حرام قرار دے کر ''رژی'' نامی مشہور سامراجی معاہدہ کو منسوخ کروا دیا۔ آپ کے حلقہ درس میں بہت سے شاگرد پروان چڑھے ہیں، جیسے آخوند ملا کاظم خراسانی،

سید محمد کاظم طباطبائی یزدی، حاج آقا رضا ہمدانی، حاج میرزا ان حسین سبزواری سید محمد فشارکی اصفہانی، میرزا محمد تقی شیرازی وغیرہ۔ آپ کا کوئی قلمی اثر باقی نہیں بچا ہے، لیکن بعض اوقات آپ کے نظریات مورد بحث قرار پاتے ہیں۔ ۱۳۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۵۔ آخوند ملا محمد کاظم خراسانی۔ ۱۲۵۵ھ میں مشہد کے ایک غیر مشہور گھرانے میں پیدا ہوئے اور ۲۲ سال کی عمر میں ہجرت کر کے تہران آ گئے۔ یہاں کچھ عرصہ تک فلسفہ پڑھتے رہے۔ اس کے بعد نجف چلے گئے۔ دو سال شیخ انصاری کے درس میں شریک رہے، لیکن آپ نے زیادہ تر تعلیم میرزا شیرازی سے حاصل کی۔ میرزا شیرازی نے ۱۲۹۱ھ میں سامرا کو اپنی قیام گاہ بنایا لیکن آخوند خراسانی نجف سے دور نہیں ہوئے اور خود آپ نے اپنا حلقہ درس تشکیل دے لیا۔ آپ نہایت کامیاب اساتذہ میں شمار ہتے ہیں۔ تقریباً بارہ سو شاگرد آپ کے درس سے استفادہ کرتے تھے اور ان میں سے تقریباً دو سو افراد خود مجتہد تھے۔

عصر آخر کے فقہاء جیسے سید ابوالحسن اصفہانی، حاج شیخ محمد حسین اصفہانی، حاج آقا حسین بروجردی، حاج آقا حسین قمی اور حاج آقا ضیاءالدین عراقی، سب آپ کے شاگرد تھے۔ آخوند خراسانی کی زیادہ تر شہرت علم اصول میں ہے۔ آپ کی کتاب کفایۃ الاصول ایک اہم درسی کتاب ہے اور اس پر بہت سے حاشیے لکھے گئے ہیں۔ آخوند خراسانی کے اصولی نظریات دینی و علمی مدرسوں مس ی ہمیشہ بحث و گفتگو کا موضوع بنے رہتے ہیں۔ آخوند خراسانی وہی ہستی ہیں جس نے مشروطیت کی ضرورت کا فتویٰ دیاا اور ایران کی مشروطیت ان ہی کی رہین منت ہے۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ میں وفات پائی۔

۳۶۔ حاج میرزا حسین نائینی۔ آپ چودھویں صدی کے عظیم ترین فقہاء

واصولیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے میرزا شیرازی اور سید محمد فشارکی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا ہے اور خود بھی ایک اعلیٰ مقام استاد بنے۔ ان کی زیادہ تر شہرت علم اصول میں ہے۔ آپ نے آخوند خراسانی سے علمی مقابلہ کیا ہے اور علمی اصول میں اپنے جدید نظریات پیش کیے ہیں۔ ہمارے زمانے کے بہت سے فقہاء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ تنزیہ الآمۃ یا حکومت دراسلام نامی آپ کی ایک کتاب فارسی زبان میں بھی ہے۔ یہ کتاب آپ نے مشروطیت اور اس کی اسلامی بنیادوں کے دفاع میں لکھی ہے۔ آپ نے ۱۳۵۵ھ میں نجف میں وفات پائی۔

مختصر جائزہ

ہم نے غیبت صغریٰ سے اب تک جبکہ چودھویں ہجری اپنے اختتام سے نزدیک ہورہی ہے، مجموعی طور پر ۳۶ اہم فقہاء کا تعارف پیش کیا ہے اور صرف ان ہی ہستیوں کا ذکر کیا ہے جو فقہ واصول کی دنیا میں زیادہ شہرت رکھتی ہیں۔ یعنی ان کے زمانے سے آج تک ہمیشہ ان کا نام کتابوں اور درسوں میں لیا جاتا رہا ہے۔ البتہ ضمنی طور پر ان ۳۶ شخصیتوں کے علاوہ کچھ دوسرے بزرگوں کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ یہاں تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے چند نکتے واضح ہوجاتے ہیں۔

الف۔ تیسری صدی سے آج تک، فقہ ایک پیہم ومسلسل زندگی کی حامل رہی ہے اور یہ سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹا۔ ان ساڑھے گیارہ سو سال کے دوران حوزہ ہائے فقہی بلا وقفہ اپنا کام کرتے رہے ہیں۔ اس مدت میں استاد وشاگردی کا رابطہ کبھی بھی منقطع نہیں ہوا۔ مثلاً اگر اپنے استاد معظم آیۃ اللہ بروجردی مرحوم سے شروع کروں تو ان کے فقہی اساتید کا سلسلہ مسلسل طور پر ائمہ اطہارؑ کے دور تک بیان کرسکتا ہوں۔ اس طرح کی ساڑھے گیارہ سو سالہ مسلسل پیہم حیات، اسلامی تہذیب وثقافت کے

سوا کسی دوسرے تہذیب وثقافت میں نہیں مل سکتی۔ اس طرح کا صحیح معنوں میں ثقافتی تسلسل کہ ایک ہی روح، ایک ہی زندگی کسی وقفہ کے بغیر منظم ومرتب اور پیہم طبقوں کو اتنی طویل تاریخ میں ایک دوسرے سے مربوط کرے اور ایک ہی روح سب پر حاکم ہو، اسلامی تہذیب وثقافت کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔ دوسری تہذیبوں اور ثقافتوں میں بعض اوقات اس سے بھی طولانی تاریخ مل جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ان میں جابجا وقفے اور ٹھہراؤ بھی نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی یاددہانی کرائی ہے۔ اگر ہم نے تیسری صدی کو جہاں سے غیبت صغریٰ شروع ہوتی ہے، تاریخ فقہ کا مبدا قرار دیا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شیعہ فقہ نے تیسری صدی میں جنم لیا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے کا زمانہ آئمہ اطہار علیہم اسلام کے ظہور کا زمانہ ہے اور شیعہ فقہاء آئمہ اطہارؑ کے پرنور چہروں کے سامنے ماند پڑ گئے ہیں۔ ان کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ ورنہ شیعوں کے یہاں اجتہاد وفقہات کا آغاز اور فقہی کتابوں کی تالیف کی ابتداء عہد صحابہ ہی میں ہوگئی تھی۔ جیسا کہ عرض کرچکا ہوں، پہلی کتاب علی ابن ابی رافع (امیر المومنین علیؑ کے دور خلافت میں آپؑ کے کاتب وخزانچی عبداللہ بن ابی رافع کے بھائی) نے لکھی ہے۔

ب۔ بعض لوگوں کے گمان کے برخلاف شیعہ علوم ومعارف، منجملہ شیعہ فقہ، صرف ایرانی فقہاء کے ہاتھوں ہی تدوین نہیں ہوئی ہے، ایرانی وغیر ایرانی دونوں اس میں شریک ہیں۔ دسویں ہجری اور صفویوں کے دور سے پہلے اکثر فقہاء غیر ایرانی ہیں۔ صرف صوفیوں کے درمیانی عہد کے بعد ایرانی فقہاء کا غلبہ ہوا ہے۔

ج۔ صفویوں سے پہلے فقہ وفقاہت کا مرکز بھی ایران میں نہ تھا۔ پہلے بغداد، شیعہ فقہ کا مرکز تھا۔ اس کے بعد شیخ طوسی کے ہاتھوں نجف مرکز قرار پایا۔ کچھ

عرصہ کے بعد جبل عامل (موجودہ لبنان کا جنوبی خطہ) مرکز بن گیا۔ اس کے بعد اور کچھ عرصہ اس کے ہمراہ عراق کا ایک چھوٹا سا شہر حلقہ فقہ وفقاہت کا مرکز بنا رہا۔ ایک عرصہ حلب (شام کے مضافات میں واقع شہر) بھی بڑے اور جید فقہاء کا مرکز رہا ہے۔ یہ صفویوں کے دور کی بات ہے کہ فقہ کی مرکزیت اصفہان کو ملی اور اسی زمانہ میں مقدس اردبیلی اور کچھ دوسرے بزرگوں کے ذریعے نجف کے حوزہ علمیہ نے نئی زندگی پائی اور یہ حیات آج تک باقی ہے۔ ایرانی شہروں میں سے صرف قم ابتدائی اسلامی صدیوں ہی میں یعنی اسی وقت جب بغداد اسلامی فقاہت کا مرکز تھا، علی بن بابویہ، محمد بن قولویہ جیسے فقہاء کے ہاتھوں ایک فقہی مرکز بن گیا تھا اور قاچاری دور میں یہ مرکز میرا ابوالقاسم قمی صاحب قوانین کے ہاتھوں دوبارہ زندہ ہوا اور پھر ۱۳۴۰ھ حاج شیخ عبدالکریم یزدی نے اس کے مردہ جسم میں ایک نئی روح پھونکی اور آج قم شیعوں کے دو عظیم فقہی مرکزوں میں سے ایک مرکز مانا جاتا ہے۔

اس بنیاد پر کبھی بغداد، کبھی نجف، کبھی جبل عامل، کبھی حلب، کبھی حلہ، کبھی اصفہان اور کبھی قیم فقہ اور عظیم فقہاء کے نشاط اور سعی وکوشش کا مرکز رہا ہے۔ اس طویل تاریخ، خاص طور سے صفویوں کے بعد ایران کے دوسرے شہروں جیسے مشہد، ہمدان، شیراز، یزد کاشان، تبریز، زنجان قزوین اور تون (موجودہ فردوس) میں عظیم اور معتبر دینی مدرسے قائم رہے ہیں لیکن قم و اصفہان اور ایک مختصر سے عرصے کے لیے کاشان کے سوا ایران کا کوئی بھی شہر صف اول کے فقہاء کا مرکز نہیں رہا ہے اور اعلیٰ یا اعلیٰ ترینوں میں سے ایک فقہی حوزہ نہیں مانا گیا۔ ان شہروں کی علمی و فقہی نشاط کی بہترین دلیل ان ہی اعلیٰ تاریخی مدارس کا وجود ہے جو مذکورہ تمام شہروں میں موجود ہیں اور ماضی کے علمی جوش وخروش کی یادگار ہے۔

د۔ صفوی ایران کی راہ وروش میں اہم کردار جبل عامل کے فقہاء نے ادا

کیا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، صفویہ درویش تھے۔ ابتداء میں ان لوگوں نے اپنی مخصوص درویشانہ سنت کی بنیاد پر جو روش اختیار کی تھی، اگر وہ جبل عامل کے فقہاء کی عمیق فقہی روش کے ذریعے متوازن نہ ہوتی اور اگر ان فقہاء کے ہاتھوں ایران میں عمیق فقہی مدرسوں کی بنیاد نہ پڑتی تو وہ آخر میں وہی شکل اختیار کرتی جو شام اور ترکی میں علویوں نے اختیار کی ہے۔ ان فقہاء کی روش نے بہت اہم اثر چھوڑا کہ اولاً ایرانی قوم اور حکومت کی عمومی روش اس قسم کے انحرافات سے محفوظ ہوگئی اور ثانیاً شیعی تصوف وعرفان نے بھی ایک معتدل راستہ اختیار کیا۔ چنانچہ محقق کرکی اور شیخ بہائی وغیرہ جیسے جبل عامل کے فقہاء نے اصفہان کے فقہی مرکز کی بنیاد رکھ کر اس ملک کے عوام پر بڑا احسان کیا ہے۔

ھ۔ جیسا کہ شکیب ارسلان نے لکھا ہے، تشیع جبل عامل میں ایران سے پہلے داخل ہوا ہے اور یہ ان لوگوں کے نظریات کو رد کرنے کے لیے ایک قطعی ویقینی دلیل ہے جو تشیع کو ایرانیوں کی اختراع بتاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لبنان میں شیعیت، پیغمبر اسلامؐ کے عظیم مجاہد صحابی ابوذر غفاری کے ذریعے پھیلی ہے۔[1] ابوذر نے قدیم شام میں قیام کے دوران، جس میں موجودہ لبنان یا اس کا ایک حصہ بھی شامل تھا، معاویہ اور دوسرے امویوں کی ثروت اندوزی کے خلاف جہاد کے ہمراہ تشیع کے پاک وپاکیزہ مذہب کی بھی تبلیغ کی تھی۔

---

[1] دانشکدہ الٰہیات مشہد کے نشریہ میں جناب واعظ زادہ کا مقالہ 'چند اسلامی عربی ملکوں کا سفر' ماخوذ از 'جبل عامل فی التاریخ'۔

سبق نمبر ٦

فقہ کے اہم ابواب ومسائل

(ا)

فقہ کا مختصر تعارف حاصل کرنے کے لیے اس کے اہم مسائل اور ابواب سے واقفیت ضروری ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ فقہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کیونکہ اس میں وہ تمام موضوعات شامل ہیں، جن کے بارے میں اسلام نے عملی حکم دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات کے درمیان صرف اسلامی معارف اور اسلامی تربیت و اخلاق ہے، جو فقہ کے دائرہ سے باہر ہے۔ فقہ کے دائرہ میں جو چیزیں بیان ہوئیں ہیں وہ آج متعدد ومتنوع علوم میں مورد بحث ہیں اور ان کے بارے میں تحقیق وجستجو کی جاتی ہے۔

وہ پہلی بات جس کی یاد آوری ضروری ہے، یہ ہے کہ آیا یہ وسیع فقہی مسائل، صحیح بنیادیوں پر منظم طریقہ سے تقسیم ہوئے ہیں؟ جواب یہ ہے کہ نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ مشہور تقسیم وہی ہے جو صاحب شرائع محقق حلی نے اپنی کتاب شرائع میں پیش کی ہے اور شہید اول نے اپنی کتاب قواعد میں اس کے بارے میں مختصر سی توضیح دی ہے اور تعجب تو یہ ہے کہ شرائع کے زبردست شارحین نے، جیسے شہید ثانی نے

مسالک میں، ان کے نواسے سید محمد نے مدارک میں اور شیخ محمد حسن نجفی نے جواہر میں، محقق کی تقسیم کے بارے میں کوئی معمولی سی بھی وضاحت نہیں کی ہے۔ خود شہید اول نے بھی کتاب لمعہ میں محقق کے اسلوب کی پیروی نہیں کی ہے۔

بہرحال محقق کی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ انہوں نے فقہ کے ابواب چار حصوں میں تقسیم کیے ہیں:

ا۔عبادات۔

۲۔عقود۔

۳۔ایقاعات۔

۴۔احکام۔

اس تقسیم کی بنیاد یہ ہے کہ جن کاموں کو انسان کو شرعی معیار کے مطابق انجام دینا چاہیے یا وہ ایسے امور ہیں جن میں خدا سے تقرب کی نیت شرط ہے، یعنی وہ کام صرف اور صرف خدا کے لیے انجام پانے چاہئیں اور اگر کوئی دوسری غرض و غایت شامل ہو جائے تو وہ اعمال باطل ہوں گے اور بجالانے والا بری الذمہ نہ ہوگا، اسے وہ اعمال دوبارہ بجالانا ہوں گے یا یہ اعمال اس طرح کے نہیں ہیں۔ (یعنی ان میں قصد قربت شرط نہیں ہے)۔

اگر اعمال پہلی قسم کے ہوں تو وہ 'عبادات' کہلاتے ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، خمس، زکوۃ حج وغیرہ۔ فقہ میں اس قسم کے اعمال کو ''عبادات'' کہتے ہیں۔

لیکن اگر اس کا تعلق دوسری قسم سے ہو، یعنی اس کے صحیح ہونے میں قصد قربت شرط نہ ہو اور بالفرض اگر اسے کسی اور نیت سے انجام دیا جائے، پھر بھی صحیح ہے تو اس قسم کے اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں: یا اس کا وقوع کسی خاص صیغہ کے اجراء پر موقوف ہے یا نہیں۔ اگر کسی خاص صیغہ کے اجراء پر موقوف نہ ہو تو اسے

احکام کہتے ہیں۔ جیسے میراث، حدود، دیات وغیرہ اور اگر کسی خاص صیغہ کے اجراء پر موقوف ہو تو خود اس کی بھی دو قسمیں ہیں: یا یہ کہ صیغہ طرفین کے ذریعے انجام پانا چاہیے، ایک طرف سے ایجاب ہو دوسری طرف سے قبول یا یہ کہ طرفین کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک طرف سے صیغہ کا اجراء کافی ہے۔

اگر اس کا تعلق پہلی قسم سے ہو تو اس کا نام ''عقد'' ہے۔ جیسے بیع، اجارہ اور نکاح کہ ایک فریق ایجاب کرتا ہے اور دوسرا فریق قبول کرتا ہے اور اگر صرف ایک فریق صیغہ جاری کرے دوسرے فریق کی ضرورت نہ ہو تو اس کا نام ''ایقاع'' ہے، جیسے ''ابراء''، یعنی اپنے مطالبات سے چشم پوشی کر لینا یا طلاق وعتق (غلام آزاد کرنا) وغیرہ۔ ہم بعد میں اس تقسیم اور دوسری تقسیموں کے بارے میں بحث کریں گے۔

محقق حلی نے اپنی اس تقسیم میں پوری فقہ کو ۴۸ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ دس باب عبادات میں، پندرہ باب عقود میں، گیارہ باب ایقاعات میں، بارہ باب احکام میں ہیں لیکن بعد میں ہم دیکھیں گے کہ یہ تقسیم درہم برہم ہوگئی ہے۔

ضمناً یہ نکتہ بھی مخفی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں جو کتابیں لکھی جاتی تھیں وہ صرف ایک یا چند فقہی موضوعات سے تعلق رکھتی تھیں، فقہ کے سارے موضوعات پر مشتمل نہیں ہوتی تھیں۔ مثلاً حالات زندگی سے متعلق کتابوں میں یہ نظر آتا ہے کہ فلاں شخص نے نماز کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے۔ فلاں نے اجارہ سے متعلق لکھی ہے اور فلاں نے نکاح کے سلسلے میں کتاب لکھی ہے۔ اسی لیے بعد کے زمانوں میں بھی جب فقہی جوامع (یعنی وہ کتاب جس میں فقہ کے تمام موضوعات موجود ہیں) لکھے گئے تو فقہ کے ہر باب کو ''کتاب'' کے نام سے یاد کیا گیا۔ رسم یہی ہے کہ ''باب الصلوٰۃ'' یا ''باب الحج'' لکھنے کے بجائے ''کتاب الصلوٰۃ'' اور یا ''کتاب الحج'' لکھتے ہیں۔

اب ہم فقہ کے اہم مسائل و ابواب محقق حلی کی شرائع کی تریب کے مطابق، ان ہی کی کتاب سے ذکر کر رہے ہیں۔

عبادات

محقق عبادات سے متعلق دس کتابوں (ابواب) کو اس ترتیب سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ کتاب الطہارت: طہارت کی دو قسمیں ہیں۔ خبث یا ظاہری جسمانی اور عارضی نجاستوں سے طہارت اور حدث، یعنی معنوی اور فطری آلودگیوں سے طہارت۔ خبث سے طہارت سے مراد کپڑے، بدن اور دوسری چیزوں کو ان دس چیزوں سے پاک کرنا جنہیں فقہی اصطلاح میں نجاسات کہا جاتا ہے۔ جیسے پیشاب، پاخانہ، منی، مردار وغیرہ۔ حدث سے طہارت سے مراد وضو غسل اور تیمم ہے جو نماز وطواف جیسی عبادتوں کے لیے شرط ہے اور یہ طہارت نیند، پیشاب، جنابت وغیرہ جیسے کچھ فطری اعمال کے ذریعے زائل ہو جاتی ہے اور اسے پھر سے بجا لانا ضروری ہوتا ہے۔

۲۔ کتاب الصلوٰۃ: اس کتاب میں واجب نمازوں یعنی نماز پنجگانہ، نماز عیدین نماز میت، نماز آیات، نماز طواف اور نافلہ نمازوں یعنی مستحب نمازوں جیسے نماز پنجگانہ کے نوافل وغیرہ اور نماز کی شرائط، ارکان، مقدمات، موانع اور مبطلات وغیرہ نیز نماز کی مختلف قسموں جیسے نماز حاضر، نماز مسافر، نماز فرادی، نماز جماعت، نماز ادا، نماز قضا کے بارے می تفصیل سے بحث ہوتی ہے۔

۳۔ کتاب الزکوٰۃ: زکوٰۃ ٹیکس جیسی ایک طرح کی مالی ادائیگی ہے۔ جو ان نو چیزوں پر عائد ہوتی ہے: سونا، چاندی، گیہوں، جو، خرما، کشمش، گائے،

گوسفند، اونٹ۔ فقہ میں ان نو چیزوں پر زکوٰۃ کے واجب ہونے کی شرائط، اس کی مقدار اور اس کے مصارف کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ قرآن میں زکوٰۃ، نماز کے شانہ بہ شانہ ذکر ہوئی ہے۔ قرآن میں زکوٰۃ کے مسائل میں سے صرف اس کے مصارف کی وضاحت ہوئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط

(۹:۶۰)

صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کی جمع آوری پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں، راہ خدا میں اور تہی دست مسافر کی دست گیری میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

۴۔ کتاب الخمس: خمس بھی زکوٰۃ کی طرح ٹیکس جیسی ایک قسم کی مالی ادائیگی ہے۔ خمس یعنی پانچواں حصہ۔ اہل سنت کے نقطہ نظر سے صرف جنگی غنائم سے خمس کے طور پر پانچوں حصہ بیت المال کو ادا کرنا واجب ہے۔ لیکن شیعہ نقطہ نظر سے جنگی غنائم ان چیزوں میں سے ایک ہے جن پر خمس واجب ہے۔ اس کے علاوہ معادن، خزانوں، مال حرام کے ساتھ مخلوط وہ حلال مال جسے مشخص کرنا ممکن نہ ہو، وہ زمین جسے کافر ذمی مسلمان سے خریدے، جو چیزیں غواصی کے ذریعے حاصل ہوں اور سالانہ بچت ان چیزوں سے خمس نکالنا واجب ہے۔ شیعہ مذہب میں خمس ایک

عظیم سرمایہ ہے جو کسی ملک کے بجٹ کا ایک اہم حصہ پورا کر سکتا ہے۔

۵۔ کتاب الصوم: صوم یعنی روزہ جیسا کہ آپ جانتے ہیں روزہ کی حالت میں کھانے، پینے، جنسی عمل، پانی میں سر ڈوبنے، غلیظ غبار حلق میں پہنچانے اور بعض دوسری چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ ہر قمری سال میں ایک ماہ یعنی ماہ مبارک رمضان میں ہر اس بالغ شخص پر جو کوئی شرعی عذر نہ رکھتا ہو، روزہ رکھنا واجب ہے۔ ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے۔ سال میں دو دن یعنی عید فطر، عید قربان کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ بعض ایام میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جیسے روز عاشور۔

۶۔ کتاب الاعتکاف: اعتکاف کا لغوی معنی کسی معین جگہ پر قیام کرنا ہے۔ لیکن فقہی اصطلاح میں یہ ایک قسم کی عبادت ہے جس میں انسان تین دن یا بیشتر کسی مسجد میں قیام کرتا ہے، وہاں سے باہر نہیں آتا اور تینوں دن روزہ رکھتا ہے۔ اس عمل کے کچھ احکام و شرائط ہیں جو فقہ میں موجود ہیں۔ اعتکاف بذات خود مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ لیکن انسان اعتکاف شروع کر دے اور دو دن تک اسے جاری رکھے تو تیسرے دن وہ واجب ہو جائے گا۔ اعتکاف مسجد الحرام یا مسجد النبی یا مسجد کوفہ یا مسجد بصرہ میں انجام پانا چاہیے اور کم از کم شہر کی جامع مسجد میں انجام پانا چاہیے۔ چھوٹی مسجدوں میں اعتکاف جائز نہیں ہے۔ پیغمبر اکرمؐ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے۔

۷۔ کتاب الحج: حج وہی مخصوص عمل ہے جسے حجاج مکہ اور اس کے مضافات میں بجا لاتے ہیں اور معمولاً عمرہ کے ہمراہ ہے۔ حج کے اعمال یہ ہیں: مکہ میں احرام باندھنا، سرزمین عرفات پر ٹھہرنا، مشعر میں شب کو ٹھہرنا، جمرۃ العقبی کو رمی (پتھر مارنا)، قربانی، حلق قا تقصیر، طواف، نماز طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی، طواف النساء،

نماز طواف النساء، رمی جمرات، منیٰ میں شب بسری۔

۸۔ کتاب العمرہ: عمرہ بھی ایک چھوٹا حج ہے۔لیکن عام طور پر حاجیوں پر واجب ہے کہ پہلے عمرہ بجالائیں، اس کے بعد حج۔ عمرہ کے اعمال یہ ہیں: کسی ایک میقات پر احرام۔ خانہ کعبہ کا طواف۔ نماز طواف۔ صفا ومرہ کے درمیان سعی۔ شیخ بہائی نے حج وعمرہ کے اعمال اور اس کی ترتیب کو طلباء کے ذہن میں باقی رکھنے کے لیے اسے ان کے پہلے حرف کے رمز سے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔ شعر یہ ہے:

اطرست للعمرۃ اجعل نھج
اووار نحط رس طرمر للحج

اس کی ترتیب یہ ہے:

الف: احرام

ط: طواف

ر: رکعتین طواف

س: سعی بین صفا ومروہ

ت: تقصیر

ان حروف کا مجموعہ لفظ ''اطرست'' بنتا ہے جو عمرہ کا رمزہ ہے۔ حج کا رمز یہ ہے:

الف: احرام

و: وقوف (توقف) عرفات میں

و: وقوف مشعر الحرام میں

الف: افاضہ (کوچ کرنا) عرفات سے مشعر کی طرف اور وہاں سے منی کی جانب

ر: رمی جمرۃ العقبی

ن: نحر یعنی قربانی

ح: حلق یعنی سر مونڈوانا اور جس کا پہلا حج نہ ہو اسے تھوڑے سے بال یا ناخن کٹوانا

ط: طواف حج

ر: رکعین طواف حج

س: سعی، صفا ومروہ کے درمیان

ط: طواف النساء

ر: رکعتین طواف

م: مبیت (یعنی شب بسری) منیٰ میں

ر: رمی جمرات

اعمال حج کی جو تشریح ہم نے کی تھی اس کی بناء پر اعمال کے تیرہ موضوع ہیں۔لیکن اس شعر میں چودہ موضوع ذکر ہوئے ہیں۔ اس کا راز یہ ہے کہ شیخ بہائی نے عرفات ومشعر سے اضافہ (یعنی کوچ) کو ایک مستقل عمل شمار کیا ہے، حالانکہ وہ کوئی مستقل عمل نہیں ہے۔

۹۔ کتاب الجہاد: اس کتاب میں اسلامی جنگوں کا مسئلہ بیان ہوتا ہے۔ چونکہ اسلام سماجی اور سماجی ذمہ داریوں کا دین ہے، اسی لیے جہاد کو اسلامی احکام کے متن میں جگہ دی گئی ہے۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں: ابتدائی اور دفاعی۔ شیعہ فقہ کے مطابق ابتدائی جہاد صرف پیغمبر اکرمؐ یا امام معصومؑ کی نگرانی میں انجام پا سکتا ہے۔ اس طرح کا جہاد صرف مردوں پر واجب ہے۔لیکن دفاعی جہاد تمام زمانوں میں ہر شخص پر واجب ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

اسی طرح جہاد یا داخلی ہے یا خارجی۔ اگر کچھ لوگ مفترض الطاعۃ امام کے خلاف خروج کریں، جیسا کہ خوارج، اصحاب جمل اور اصحاب صفین نے کیا تو ان سے بھی جہاد واجب ہے۔ فقہ میں جہاد، ذمہ یعنی غیر مسلم کو اسلامی حکومت کے زیر سایہ قبول کرنے کی شرائط اور اسلامی و غیر اسلامی حکومت کے درمیان صلح کے احکام تفصیل سے بیان ہوتے ہیں۔

۱۰۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر: اسلام چونکہ سماجی اور سماجی ذمہ داریوں کا دین ہے اور اپنے سعادت آفریں آسمانی منصوبوں کو جامع عمل پہنانے کے لیے مناسب ماحول ضروری جانتا ہے، لہٰذا اس نے ایک مشترکہ ذمہ داری سب پر عائد کی ہے۔ تمام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اچھے خصائل و فضائل کی حفاظت کریں اور برائیوں کو مٹانے میں کوشاں رہیں۔ نیکیوں کے تحفظ کا نام ''امر بالمعروف'' اور برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کا نام ''نہی عن المنکر'' ہے۔ اسلامی فقہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی کچھ شرائط اور اصول و ضوابط ہیں، جن کی تفصیل فقہ میں مذکور ہے۔ یہاں تک عبادات کے دس باب پورے ہو گئے۔ اب عقود کی باری ہے۔

سبق نمبر ۷

فقہ کے اہم ابواب و مسائل

(۲)

عقود

محقق کہتے ہیں: عقود کی دو قسمیں ہیں اور پندرہ کتابوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ کتاب تجارت: اس کتاب میں خرید و فروخت، طرفین معاملہ (یعنی خریدنے اور بیچنے والے) کی شرائط، عوضین کی شرائط، عقد یعنی معاملہ کے صیغہ کی شرائط اور اسی طرح مختلف قسم کی خرید و فروخت، جیسے نقد معاملہ، ادھار معاملہ، جہاں جنس نقد ہے قیمت ادھار، یا سلف معاملہ جو اس کے برعکس ہے یعنی قیمت نقد ادا ہوتی ہے مال بعد میں ملے گا۔ ان تمام مسائل کے بارے میں بحث و گفتگو کی جاتی ہے۔ البتہ وہ معاملہ جہاں قیمت اور مال دونوں ادھار ہوں باطل ہے۔ اسی طرح بیع کے باب میں مرابحہ مواضعہ اور تولیہ کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ یہاں مراسحہ سے مقصود یہ ہے کہ ایک شخص معاملہ کرتا ہے اور تھوڑا سا منافع لے کر وہ معاملہ کسی اور کے سپرد کر دیتا ہے۔ مواضعہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی معاملہ تھوڑے سے ضرر و نقصان کے ساتھ دوسرے کے حوالے کر دیتا ہے۔ تولیہ یہ ہے کہ معاملہ نفع و نقصان کے بغیر دوسرے کے حوالے کر دے۔

۲۔ کتاب الرہن: رہن یعنی گروی۔ اس باب میں گروی رکھوانے اور گروی رکھنے کے احکام بیان ہوتے ہیں۔

۳۔ کتاب مفلس: مفلس یعنی دیوالیہ، یعنی جس کا مال اس کے قرض کے بقدر نہ ہو۔ حاکم شرع ایسے شخص کے قرضوں کی چھان بین کرنے کے لیے اسے ممنوع التصرف قرار دے دے گا تاکہ اچھی طرح تحقیق کی جائے اور حتی الامکان قرض خواہوں کا قرض ادا کیا جائے۔

۴۔ کتاب الحجر: حجر یعنی منع اور اس سے مراد ممنوع التصرف ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے مقامات ہیں، جہاں شرعی مالک، مکمل مالکیت رکھنے کے باوجود ممنوع التصرف ہوجاتا ہے۔ مثلاً مفلس، جس کا ذکر گزر چکا ہے، اس کی ایک قسم ہے۔ اسی طرح نابالغ بچہ، دیوانہ، سفیہ، مرض الموت میں مبتلا مریض، ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت کرنے کی نسبت اسی طرح ایک قول کے مطابق مرض الموت میں مبتلا مریض ایک تہائی سے زیادہ اپنا مال کسی کے سپرد بھی نہیں کرسکتا۔

۵۔ کتاب الضمان: ضمان وہی چیز ہے جس آج ہم فارسی زبان میں ’ضمانت‘ کہتے ہیں۔ یعنی کوئی شخص کسی قرض خواہ یا قرض خواہی کے دعویدار کے مقابلے میں اس کا قرض اپنے ذمے لے لیتا ہے اور اس طرح اس کی ضمانت دیتا ہے۔ حقیقت ضمان کے بارے میں شیعہ اور سنی فقہ کے درمیان اختلاف ہے۔ شیعہ نقطہ نظر سے ضمان مقروض کے ذمہ سے ضمن کے ذمہ قرض کی منتقلی ہے۔ یعنی ضمان کے بعد قرض خواہ کو پہلے مقروض سے قرض طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ وہ صرف ضامن سے مطالبہ کرسکتا ہے۔ البتہ اگر ضامن نے مقروض کی درخواست پر ضمانت دی ہو تو قرض خواہ کو ادا کرنے کے بعد وہ رقم مقروض سے وصول کرسکتا ہے۔ لیکن سنی فقہ کی رو سے ضمان ذمہ داری میں دوسرے کو شریک کرنا ہے۔ یعنی

ضمانت کے بعد قرض خواہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ چاہے پہلے والے مقروض سے طلب کرے یا ضامن سے۔ محقق نے کتاب ضمان کے ضمن میں باب حوالہ و باب کفالہ کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔

۶۔ کتاب صلح: اس کتاب میں مصالحت کے احکام بیان ہوتے ہیں۔ یہاں صلح سے مراد وہ صلح نہیں ہے جو کتاب جہاد میں بیان ہوئی ہے۔ کتاب جہاد والی صلح، سیاسی معاہدوں کے بارے میں ہے اور باب عقود میں ذکر ہونے والی صلح، عرفی حقوق اور مالی امور سے مربوط ہے۔ مثلاً جس قرض کی مقدار معلوم نہ ہو اس کے بارے میں ایک معین مبلغ پر صلح ہو جاتی ہے۔ صلح عام طور پر اختلافات کی صورت میں واقع ہوتی ہے۔

۷۔ کتاب الشرکۃ: شرکت یعنی کوئی مال یا حق ایک سے زیادہ افراد سے تعلق رکھتا ہو۔ مثلاً فرزندوں کو میراث میں کچھ دولت ملتی ہے۔ جب تک یہ میراث تقسیم نہیں ہو جاتی، سب اس میں شریک ہیں یا یہ کہ دو افراد ایک گھوڑا، زمین، یا گاڑی مل جل کر خریدتے ہیں یا چند افراد مشترکہ طور پر کسی افتادہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات یہ شرکت غیر اختیاری طور پر انجام پاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کا گیہوں دوسرے شخص کے گیہوں کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے، جسے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

شرکت کی دو قسمیں ہیں: عقدی وغیر عقدی۔ اب تک جو کچھ میں نے بیان کیان وہ سب غیر عقدی شرکت تھی۔ عقدی شرکت یہ ہے کہ دو یا چند افراد ایک معاہدہ کے ذریعے آپس میں شرکت برقرار کرتے ہیں۔ جیسے تجارتی، زراعی یا صنعتی کمپنیاں۔ عقدی شرکت کے بہت سے احکام ہیں، جن کا ذکر فقہ میں موجود ہے۔ شرکت کے باب میں ضمنی طور پر تقسیم کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔

٨۔ کتاب المضاربہ: مضاربہ ایک قسم کی عدی شرکت ہے۔لیکن یہ دو یا چند اشخاص کی شرکت نہیں ہے۔ بلکہ سرمایہ اور محنت کی شرکت ہے۔یعنی ایک یا چند اشخاص تجارت کے لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور کچھ دوسرے افراد ''عامل'' کی حیثیت سے کارتجارت انجام دیتے ہیں۔ضروری ہے کہ وہ پہلے منافع کی تقسیم کا مسئلہ آپس میں طے کر چکے ہوں کہ کسے کتنا ملے گا۔دوسری شرط یہ ہے کہ عقد مضاربہ یعنی مضاربہ کا صیغہ جاری کیا گیا ہو یا کم از کم عملی طور پر کوئی معاہدہ عمل میں آیا ہو۔

٩۔ کتاب المزارعہ والمساقات: مزارعہ و مساقات، مضاربہ ہی جیسی شرکت کی دو قسمیں ہیں۔یعنی ان دونوں میں بھی سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے۔بس فرق یہ ہے کہ مضاربہ سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے تجارت کے لیے اور مزارعہ سرمایہ اور محنت کی شرکت ہے زراعت کے لیے۔یعنی پانی اور زمین کا مالک کسی سے معاہدہ کرتا ہے کہ تم اس پر کام کرو اور اس سے حاصل ہونے والا غلہ ہم دونوں کے درمیان معینہ مقدار میں تقسیم ہو جائے گا۔مساقات سرمایہ ومحنت کی شرکت ہے باغبانی میں۔یعنی پھل دار درخت کا مالک کسی مزدور سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ تم باغ کی دیکھ بال اور سینچائی وغیرہ کا کام انجام دو بعد میں حاصل ہونے والے پھل کو ہم لوگ باہم طے شدہ مقدار میں آپس میں بانٹ لیں گے۔

یہاں اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سرمایہ ومحنت کی شرکت میں چاہے وہ مضاربہ کی شکل میں ہو یا مزارعہ ومساقات کی صورت میں، چونکہ سرمائے کا تعلق مالک سے ہوتا ہے، اگر سرمائے کو کوئی نقصان پہنچے گا تو وہ سرمائے کے مالک کے کھاتے میں ڈالا جائے گا اور دوسرے یہ کہ سرمائے کی منفعت یقینی ومعین نہیں ہوتی یعنی ممکن ہے اسے زیادہ نفع حاصل ہو یا سرے سے نہ ملے۔جب منافع ہوگا تب ہی سرمایہ کا مالک اس کے منافع میں حصہ دار ہوگا، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔

چنانچہ ممکن ہے کہ عامل کی طرح سرمائے کے مالک کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو بلکہ اسے نقصان بھی ہو جائے اور اس کا سرمایہ تلف ہو جائے اور وہ دیوالیہ ہو جائے۔ لیکن آج کی دنیا میں بینکر حضرات سود کی شکل میں اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور نتیجے میں ایک معینہ منفعت ہر حال میں حاصل کرتے ہیں۔خواہ تجارتی، زراعتی یا صنعتی کام میں، جو اس سرمایہ کے ذریعے انجام پاتا ہے منفعت ہو یا نہ ہو۔بالفرض اگر اس سال فائدہ نہ ہو پھر بھی عامل وہ معینہ منافع ادا کرنے پر مجبور ہے، چاہے اسے اپنا گھر ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔اس طرح اس نظام میں سرمایہ دار کبھی بھی دیوالیہ نہیں ہوتا۔کیونکہ سودی نظام کی بنیاد پر سرمایہ دار اپنا سرمایہ عامل کو بطور قرض دیتا ہے اور وہ ہر حال میں اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے چاہے اس کا پورا سرمایہ تلف ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔

اسلام میں سرمایہ سے سود کی شکل میں استفادہ یعنی یہ کہ سرمایہ دار اپنا پیسہ قرض کی شکل میں عامل کو دے اور اس سے ہر حال میں کچھ فائدہ کے ہمراہ اپنے قرض کا مطالبہ کرے، بڑی سختی سے منع ہے۔

١٠۔ کتاب الودیعہ: ودیعہ یعنی امانت۔دوسرے لفظوں میں اپنا مال کسی کے سپرد کرنا اور اسے اس مال کی حفاظت کے لیے اپنا جانشین و نائب مقرر کرنا۔ ودیعہ خود اپنی جگہ پر ''ودعی'' یعنی امانت دار کے لیے کچھ فرائض و ذمہ داریاں عائد کرتی ہے۔جس طرح اسے مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں، اگر اس کی تقصیر نہ ہو تو معاف رکھتی ہے۔

١١۔ کتاب العاریعہ: عاریہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے اس کا مال استفادہ کے لیے لے۔عاریہ اور ودیعہ دونوں ایک قسم کی امانت ہیں۔لیکن فرق یہ ہے کہ ودیعہ میں انسان اپنا مال حفاظت کی خاطر دوسرے کے حوالے کرتا ہے

اور فطری طور پر امانت دار مالک کی اجازت کے بغیر اس میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا۔ لیکن عاریہ یہ ہے کہ انسان شروع ہی سے اپنا مال دوسرے کو استعمال کے لیے دیتا ہے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد واپس کر دے۔ جیسے کوئی اپنی گاڑی، کپڑا یا برتن کسی کو عاریتاً دے دے۔

۱۲۔ کتاب الاجارہ: اجارہ کی دو قسمیں ہیں یا اس طرح ہے کہ انسان اپنے منافع کو کچھ پیسہ کے بدلے میں جسے مال الاجارہ کہتے ہیں، دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ جیسے انسان عام طور پر اپنا گھر کپڑا یا گاڑی کرایہ پر دیتا ہے اور یا اس طرح ہے کہ انسان خود اجیر بن جاتا ہے۔ یعنی یہ طے کرتا ہے کہ کسی معین کام کے بدلے میں جیسے سلائی، حجامت یا گھر کی تعمیر وغیرہ کے بدلے میں مزدوری لے گا۔ اجارہ اور بیع ایک جہت سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ دونوں میں معاوضہ ومبادلہ موجود ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیع میں ایک عین خارجی اور پیسہ کے درمیان مبادلہ ہے اور اجارہ میں اس عین کے منافع اور پیسہ کے درمیان مبادلہ ہے۔ عوضین (مال اور قیمت) کو بیع میں ''مبیع'' و ''ثمن'' کہتے ہیں اور اجارہ میں ''عین موجرہ'' و ''مال اجارہ''۔ اجارہ اور عاریہ بھی ایک چیز میں شریک ہیں اور وہ یہ کہ ''متاجر'' (کرایہ دار) و ''مستعیر'' (عاریت لینے والا) دونوں ہی منافع سے استفادہ کرتے ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ متاجر چونکہ کرایہ دیتا ہے، لہٰذا وہ عین کے منافع کا مالک ہے، لیکن مستعیر منافع کا مالک نہیں ہے، اسے صرف استفادہ کا حق ہے۔

۱۳۔ کتاب الوکالہ: ایک انسانی ضرورت ہے۔ یعنی دوسرے افراد کو اپنا نائب بناتا ہے تاکہ وہ بعض امور اس کی جانب سے عقد یا ایقاع کی شکل میں انجام دیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی شخص کو وکیل بناتا ہے کہ اس کی طرف سے عقد بیع یا اجارہ یا

عاریہ اور ودیعہ یا وقف یا صیغہ طلاق جاری کرے۔ جو اپنی طرف سے کسی کو اختیار دیتا ہے، اسے ''موکل'' اور جسے موکل کی جانب سے نائب بنایا جاتا ہے، اسے ''وکیل'' اور خود اس عمل کو ''توکیل'' کہا جاتا ہے۔

۱۴۔ کتاب الوقوف والصدقات: وقف یعنی اپنا مال اپنی ملکیت سے خارج کر کے کسی ایک جگہ مصرف کے لیے مقرر کر دے۔ وقف کی تعریف میں کہا گیا ہے: تحبیس العین تسبیل المنفعۃ یعنی اصل مال کو غیر قابل انتقال قرار دے کر باقی رکھنا اور اس کی منفعت کو عام کر دینا۔ وقف میں قصد قربت شرط ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ محقق نے اسے عبادت کے باب میں ذکر کرنے کی بجائے عقود کے باب میں جو ذکر کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ محقق وقف میں قصد قربت شرط نہیں جانتے۔

وقف کی دو قسمیں ہیں: وقف خاص اور وقف عام اور ہر ایک کے مفصل احکام ہیں۔

۱۵۔ کتاب السکنیٰ والحبس: سکنی اور حبس دونوں وقف سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وقف میں عین مال ہمیشہ کے لیے محبوس ہو جاتا ہے اور دوبارہ شخصی ملکیت بننے کے لائق نہیں ہوجاتا، لیکن حبس یہ ہے کہ انسان اپنے مال کا منافع ایک معین مدت کے کسی نیک کام میں مصرف کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے اور وہ مدت گزر جانے کے بعد دوبارہ اس کی شخصی ملکیت بن جاتا ہے اور سکنی یہ ہے کہ کسی مکان کو ایک معین مدت تک کے لیے حق سکونت کے لیے کسی مستحق کے حوالہ کر دے اور مدت ختم ہوجانے کے بعد دوبارہ پہلے مالک کی ملکیت میں آجائے گا۔

۱۶۔ کتاب الھبات: ھبہ یعنی بخشش، مالکیت کا ایک مظہر یہ ہے کہ انسان اپنا مال کسی کو بخش دینے کا حق رکھتا ہے۔ ہبہ کی دو قسمیں ہیں: معوضہ و

غیر معوضہ۔ ہبہ غیر معوضہ یہ ہے کہ اپنی بخشش کے بدلے میں کوئی عوض نہ لے۔ لیکن ہبہ معوضہ یہ ہے کہ بدل میں کوئی صلہ بھی لے۔ ہبہ معوضہ واپس نہیں لیا جا سکتا، ہبہ غیر معوضہ بھی اگر اپنے قرابت داروں کے درمیان ہو یا ہبہ شدہ چیز تلف ہوگئی ہو تو واپس نہیں لیا جا سکتا، ورنہ ہبہ کرنے والا واپس لے سکتا ہے اور عقد ہبہ کو فسخ کر سکتا ہے۔

۱۷۔ کتاب السبق والرمایہ: سبق و رمایہ یعنی گھوڑا دوڑ، تیز اندازی اور اونٹوں کی ریس میں ایک طرح کی شرط بندی اور معاہدہ۔ باوجودیکہ سبق و رمایہ ایک طرح کی شرط بندی ہے اور اسلام نے شرط بندی سے روکا ہے، لیکن یہ فوجی تیاری کی مشق کے لیے ہے، لہٰذا اسے جائز قرار دیا ہے۔ سبق و رمایہ جہاد کے توابع میں سے ہے۔

۱۸۔ کتاب الوصیہ: اس کا تعلق انسان کی ان وصیتوں سے ہے جو وہ اپنے مرنے کے بعد کے لیے اپنے مال یا اپنے چھوٹے بچوں کے بارے میں کرتا ہے، جن کا وہ ولی ہے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ کسی کو اپنا وصی بنائے جو اس کے بعد اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی حفاظت و تربیت اذمہ دار ہو۔ اسی طرح اسے حق ہے کہ اپنے ایک تہائی مال کو اپنی وصیت کے مطابق جس جگہ چاہے صرف کروائے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ وصیت کی تین قسمیں ہیں: تملیکیہ، عھدیہ، فکیہ۔ تملیکیہ وصیت یہ ہے کہ انسان وصیت کرے کہ اس کے مال میں سے فلاں مقدار اس کے مرنے کے بعد فلاں شخص کے لیے ہے۔ وصیت عہدیہ یہ ہے کہ انسان وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں عمل انجام دیا جائے۔ مثلاً اس کی طرف سے حج یا زیارت یا نماز یا روزہ بجالایا جائے یا کسی دوسرے اچھے کام کی وصیت کرے۔ وصیت فکیہ یہ ہے کہ مثلاً وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں غلام آزاد ہو جائے۔

۱۹۔ کتاب النکاح: نکاح شادی کا عہد و پیمان ہے۔ فقہاء نکاح کے باب میں سب سے پہلے عقد نکاح کی شرائط کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد محارم کے بارے میں یعنی جن لوگوں کا آپس میں شادی کرنا حرام ہے، بحث کرتے ہیں۔ جیسے باپ اور بیٹی، ماں اور بیٹا، بھائی اور بہن وغیرہ۔ اس کے بعد نکاح کی دو قسموں، دائم و منقطع، نشوز یعنی زن و شوہر کی اپنے اپنے فرائض سے سرتابی اور ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت نہ کرنے، نفقات یعنی باپ پر بال بچوں کا خرچ واجب ہونے اور کچھ دوسرے مسائل کے بار میں بحث کرتے ہیں۔

یہاں پر عقود کی بحث ختم ہوگئی۔ جیسا کہ آپ نے ابتداء میں ملاحظہ فرمایا، محقق حلی نے عقود کی بحث کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ عقود میں پندرہ کتابیں ہیں لیکن عملی طور پر کچھ زیادہ ہی ہوگئیں۔ نہیں معلوم ایسا کیوں ہوا؟ شائد لفظی غلطی ہوگئی ہو یا شاید محقق بعض ابواب کو بعض کے ساتھ ایک جانتے ہوں۔ (مثلاً شرکت مضاربہ اور مساقات کو ایک جانتے ہوں۔)

سبق نمبر ۸

فقہ کے اہم ابواب ومسائل

(۲)

ایقاعات

محقق فرماتے ہیں: تیسری قسم ایقاعات ہے اور وہ گیارہ ہیں۔ ایقاع یعنی وہ کام جس میں صیغہ کا اجراء ضروری ہے، لیکن طرفین کی ضرورت نہیں ہے، ایک فریق کافی ہے۔

۱۔ کتاب الطلاق: طلاق سے مراد شادی کے عہد و پیمان کو توڑنا ہے۔ طلاق یا بائن ہوتی ہے یا رجعی۔ طلاق بائن وہ طلاق ہے جس میں (نئے عقد کے بغیر) رجوع ممکن نہ ہو اور طلاق رجعی وہ طلاق ہے جس میں رجوع ممکن ہے۔ یعنی عورت جب تک عدہ میں ہو مرد طلاق کو نظرانداز کرتے ہوئے رجوع کرسکتا ہے۔ طلاق بائن، جس میں رجوع ممکن نہیں، یا اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں عدہ نہیں ہے، جیسے اس عورتکی طلاق جس سے مرد نے ہم بستری نہ کی ہو، اسی طرح یائسہ عورت کی طلاق یا اس لیے کہ اس میں عدہ تو ہے لیکن مرد کو رجوع سے محروم کردیا گیا ہے۔ جیسے تیسری اور چھٹی دفعہ کی طلاق کہ جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرکے ہم بستری نہ کرلے (اور پھر وہ دوسرا شوہر طلاق نہ دے دے) اس وقت تک پہلا شوہر اس سے شادی نہیں کرسکتا اور یا نویں مرتبہ کی طلاق کہ اب یہ عورت

اپنے پہلے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی۔ طلاق کے لیے شرط ہے کہ عورت حیض ونفاس سے پاک ہو اور طلاق کے وقت دو عادل شاہد موجود ہوں۔ طلاق خدا کو پسند نہیں ہے۔ پیغمبر خداؐ کا ارشاد ہے: **ابغض الحلال عند اللہ الطلاق** یعنی طلاق اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن خدا کو اس سے نصرت ہے اور اس کا خود ایک راز ہے۔

۲۔ کتاب الخلع والمبارات: خلع ومبارات بھی دو قسم کی طلاق بائن ہیں۔ خلع وہ طلاق ہے جس میں ناپسندیدگی بیوی کی طرف سے ہو اور بیوی کچھ پیسہ شوہر کو دے یا اپنا پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ معاف کردے تاکہ اس کا شوہر اسے طلاق دینے پر راضی ہوجائے جیسے ہی مرد اسے طلاق دے گا، رجوع کے حق سے محروم ہوجائے گا مگر یہ کہ بیوی اپنا پیسہ واپس لے لے۔ اس صورت میں شوہر رجوع کرسکتا ہے۔

مبارات بھی خلع کی مانند ایک طرح کی طلاق بائن ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں ناپسندیدگی دونوں طرف سے ہوتی ہے۔ اس کے باوجود بیوی طلاق کے لیے کچھ پیسہ دیتی ہے۔ ایک دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ خلع میں بیوی کی طرف سے دیئے جانے والے پیسے کی کوئی حد معین نہیں ہے۔ جبکہ مبارات میں شرط ہے کہ وہ رقم بیوی کے مہر سے زیادہ نہ ہو۔

۳۔ کتاب الظہار: زمانہ جاہلیت میں ظہار ایک قسم کی طلاق تھی اور وہ اس طرح ہوتی تھی کہ شوہر بیوی سے کہتا تھا: **انت علی کظھر امی** یعنی تم میرے لیے میری ماں کی پشت کے مانند ہو، بیوی کے مطلقہ ہوجانے کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ لیکن اسلام نے اسے تبدیل کردیا۔ اسلامی نقطہ نظر سے ظہار، طلاق نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسا جملہ زبان پر لاتا ہے تو اسے کفارہ دینا ہوگا اور جب تک کفارہ نہیں دے دیتا اس عورت سے ہم بستری حرام ہوگی۔ ظہار کا کفارہ ایک غلام کی آزادی ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ پے در پے روزے رکھے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ

مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

۴۔ کتاب الایلاء: ایلاء یعنی قسم کھانا۔لیکن یہاں پر ایک اص قسم کی قسم مراد ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے یہ قسم کھائے کہ وہ کبھی بھی یا ایک معین مدت (چار ماہ سے زیادہ) تک اس سے ہم بستری نہ کرے گا۔ اگر عورت حاکم شرع سے اس کی شکایت کرے تو حاکم شرع اسے دو کاموں میں سے ایک کرنے پر مجبور کرے گا: یا قسم توڑے یا بیوی کو طلاق دے۔ اگر وہ شخص اپنی قسم توڑتا ہے تو اسے قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔قسم توڑنا ہر جگہ حرام ہے،لیکن یہاں واجب ہے۔

۵۔ کتاب اللعان: لعان کا تعلق بھی میاں بیوی کے عائلی روابط سے ہے۔لعان ایک قسم کا مباہلہ ہے۔یعنی دونوں فریق کی جانب سے ایک طرح کی نفرین ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا جو بچہ اس کی بیوی نے اس کے گھر میں جنا ہے، اسے اپنا بچہ نہ مانے اور کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے۔البتہ اپنا بچہ ماننے سے انکار کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا رہا ہے۔کیونکہ ممکن ہے، اس بچے کا حمل (زنا کے بغیر) وطی بالشبہ کے ذریعے منعقد ہوا ہو۔

اگر کوئی شخص کسی عورت پر زنا کا الزام لگائے اور چار عادل شاہد نہ پیش کر سکے تو خود اس پر ''قذف''، یعنی الزام لگانے کی حد جاری ہوگی۔اسی طرح اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے۔ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے تو اس کے لیے ایک دوسرا راستہ بھی ہے اور وہ یہ کہ ''لعان'' کرے۔اگر لعان انجام پا گیا تو قذف کی حد تو ختم ہو جائے گی لیکن وہ عورت اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔لعان حاکم شرع کے سامنے انجام پاتا ہے

اور جیسا کہ بتا چکے ہیں لعان ایک قسم کا مباہلہ ہے۔یعنی ایک طرح کی طرفینی نفرین و بدعا ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ شوہر حاکم شرع کے سامنے کھڑے ہو کر چار مرتبہ کہے گا: ''خدایا تجھے شاہد بنا رہا ہوں کہ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں۔'' پانچویں مرتبہ کہے گا: ''خدا کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوں۔'' پھر عورت حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر چار مرتبہ کہے گی ''میں خدا کو گواہ بناتی ہوں کہ وہ (شوہر) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔'' اور پانچویں مرتبہ کہے گی: ''خدا کا غضب ہو مجھ پر اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔''

اگر اس طرح سے ملاعنہ انجام پا جائے تو میاں بیوی ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جائیں گے۔

۶۔ کتاب العتق: عتق یعنی غلاموں کو آزاد کرنا۔اسلام نے غلاموں کے سلسلے میں کچھ قوانین وضع کیے ہیں۔ اسلام صرف جنگی اسیروں کو غلام بنانے کی اجازت دیتا ہے اور غلام بنانے کا مقصد ان کا استحصال کرنا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جبری طور پر کچھ دنوں حقیقی مسلمان خاندانوں کے یہاں رہیں اور اسلامی تربیت سے آراستہ ہوں۔ یہ چیز خود بخود ان کے اسلام لانے اور اسلامی تربیت سے بہرہ مند ہونے کا باعث ہوگی۔غلامی کا دور درحقیقت ایک ایسا دالان ہے جسے غلام عصر کفر کی آزادی سے عصر اسلام کی آزادی تک طے کرتا ہے۔پس مقصد یہ نہیں ہے کہ غلام، غلامی کی حالت میں باقی رہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ کافروں کو اسلامی تربیت ملے اور جب انہیں سماجی آزادی ملے تو وہ معنوی آزادی حاصل کر چکے ہوں۔اسی لیے غلام کے بعد آزادی، اسلام کا مطمع نظر ہے۔چنانچہ اسلام نے عتق یعنی غلاموں کی آزادی کے لیے ایک وسیع منصوبہ بنایا ہے۔فقہاء نے بھی اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام کا مقصد عتق ہے نہ کہ ''رق'' (غلامی) اس کے متعلق جو باب منعقد کیا

ہے اس کا نام بھی ''کتاب الرق'' کی بجائے ''کتاب العتق'' رکھا ہے۔

فقہاء کہتے ہیں کہ چند چیزیں پزادی کا باعث ہیں: خود اختیاری۔ جہاں مالک کفارہ کی ادائیگی یا صرف خدا کی خوشنودی کے لیے غلام آزاد کرتا ہے۔ دوسرے ''سرایت'' ہے۔ یعنی اگر کسی وجہ سے کسی غلام کا آدھا، ایک تہائی، ایک چوتھائی یا دسواں حصہ آزاد ہو جائے تو یہ آزادی اس کے بقیہ حصوں میں سرایت کرے گی۔ تیسرے ''عمودین'' کا مملوک ہونا۔ عمودین یعنی ماں باپ اور ان کے ماں باپ اور ان کے ماں باپ، یہ سلسلہ جہاں تک اوپر جائے۔ اسی طرح بیٹے، بیٹیاں اور ان کے بیٹے، بیٹیاں اور ان کے بیٹے بیٹیاں، یہ سلسلہ جہاں تک نیچے جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی، پردادا، پرنانا یا لڑکے، لڑکی پوتے، پوتی، نواسے، نواسی، پرپوتے، پرنواسے کا مملوک بن جائے تو وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا۔ چوتھے مختلف قسم کے عارضے ہیں۔ جیسے غلام اندھا یا کوڑھی ہو جائے تو یہ بیماری خود بخود اس کی آزادی کا باعث بن جائے گی۔

۷۔ کتاب التدبیر و المکاتبۃ و الاستیلاد: تدبیر، مکاتبہ اور استیلاد۔ آزادی کے تین اسباب ہیں۔ تدبیر یہ ہے کہ مالک وصیت کرے کہ میری وفات کے بعد یہ غلام آزاد ہے۔ مکاتبہ یہ ہے کہ غلام اپنے مالک سے معاہدہ کر لے کہ کچھ پیسہ دے کر آزاد ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اگر غلام اس طرح کا مکاتبہ کرے اور تمہیں اس میں خیر نظر آئے یعنی اس میں ایمان دکھائی دے (یا اگر یہ سمجھ لو کہ وہ آزادی کے بعد اپنا انتظام خود کر سکتا ہے، عاجز و ناتواں ن ہوگا) تو اس کا مطلبہ مان لو اور اپنی دولت میں سے کچھ سرمایہ بھی اس کے حوالے کر دو۔ استیلاد یہ ہے کہ کنیز اپنے مالک سے حاملہ ہو۔ یہ عورت اپنے مالک کے انتقال کے بعد فطری

طور پر اپنے فرزند کے حصہ میں آئے گی اور چونکہ کوئی شخص اپنے عمودین کا مالک نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ عورت خود بخود آزاد ہو جائے گی۔

۸۔ کتاب الاقرار: اقرار، قضائی قانون سے تعلق رکھتا ہے۔ انسان پر کسی حق کے ثابت ہونے کا ایک سبب خود اس کا اقرار ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے خلاف دعویٰ کرے کہ میرا اتنا پیسہ اس شخص پر باقی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثبوت اور شاہد پیش کرے۔ اگر اس کے پاس شاہد و دلیل نہ ہو تو اس کا مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر خود مدعا علیہ ایک مرتبہ اقرار کر لے کہ وہ اس کا مقروض ہے تو یہ اقرار شاہد وہ دلیل کی کمی پوری کر دے گا۔ **اقرار العقلاء علی انفسهم جائز**۔

۹۔ کتاب الجعالہ: جعالہ اپنی ماہیت کے لحاظ سے انسانوں کے اجارہ سے شباہت رکھتا ہے۔ انسانوں کو اجیر بنانا اس طرح سے ہے کہ ایک شخص کسی مزدور یا کاریگر کو اجیر بناتا ہے کہ اتنی مزدوری کے بدلے میں فلاں کام انجام دے گا۔ لیکن جعالہ میں کسی معین شخص کو اجیر نہیں بنایا جاتا بلکہ آجر یہ عام اعلان کرتا ہے کہ جو شخص فلاں کام انجام دے گا اسے اتنا پیسہ دوں گا۔

۱۰۔ کتاب الایمان: ایمان (الف پر زبر) یمین کی جمع ہے اور اس کا معنی قسم ہے۔ اگر انسان قسم کھالے کہ فلاں کام انجام دوں گا تو وہ کام اس پر واجب ہو جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ قسم خدا کے نام کی ہو۔ چنانچہ پیغمبر، امام یا قرآن کی قسم سے وہ عمل شرعاً واجب نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ قسم جائز ہو۔ پس اگر کسی حرام یا مکروہ کام کی قسم کھاتا ہے تو وہ بے اثر ہے۔ جائز قسم یہ ہے کہ مثلاً قسم کھائے کہ فلاں مفید کتاب شروع سے آخر تک پڑھوں گا یا روزانہ دانت صاف کروں گا۔ حنث یعنی قسم کی مخالفت موجب کفارہ ہے۔

۱۱۔ کتاب النذر: نذر کسی کام کو انجام دینے کا ایک قسم کا شرعی عہد ہے۔ قسم کے بغیر اس کے لیے ایک مخصوص صیغہ ہے۔ مثلاً انسان نماز پنجگانہ کے نوافل پڑھنے کی نذر کرتا ہے: للہ علی ان اصلی النوافل کل یوم قسم میں شرط یہ تھی کہ جس چیز کے بارے میں قسم کھا رہا ہے وہ مرجوع یعنی حرام وہ مکروہ نہ ہو۔ پس مباح چیزوں کے بارے میں قسم کھائی جاسکتی ہے لیکن نذر میں شرط ہے کہ جس چیز کی نذر کر رہا ہے وہ راجح ہو یعنی کوئی ایسا کام ہو جو دین یا دنیا کے لیے مفید ہو۔ پس کسی ایسے کام کی نذر جس میں رجحان نہ ہو اور اس کا فعل و ترک مساوی ہو تو وہ نذر باطل ہے۔

قسم اور نذر کے مطابق عمل کے واجب ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ دونوں خدا کے ساتھ ایک قسم کا عہد و پیمان ہیں۔ جس طرح خدا کے بندوں سے کیے جانے والے عہد و پیمان کا احترام ضروری ہے: اوفوا بالعقود اسی طرح خدا سے کیے جانے والے عہد و پیمان کو بھی محترم سمجھنا چاہیے۔ عام طور سے وہی لوگ نذر کرتے یا قسم کھاتے ہیں، جنہیں اپنے ارادے پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ وہ قسم یا نذر کے ذریعے اپنے آپ کو مجبور کرتے ہیں تاکہ رفتہ رفتہ ان کا عادت بن جائے اور سستی و کاہلی ان سے دور ہو جائے۔ ورنہ پختہ عزم و ارادہ کے مالک افراد اپنے آپ کو اس طرح سے ہرگز مجبور نہیں کرتے۔ ان کے لیے خود ان کا ارادہ و فیصلہ ہی بے حد محترم ہوتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو کسی بیرونی دباؤ کے بغیر ہی اس پر عمل کرتے ہیں۔

اسباق نمبر ۹۔۱۰

فقہ کے اہم ابواب و مسائل

(۴)

احکام

فقہی ابواب کی چوتھی اور آخری قسم وہ چیزیں ہیں جنہیں محقق حلی نے احکام کا نام دیا ہے۔ یہاں احکام کی کوئی خاص تعریف نہیں کی گئی ہے۔ جو چیز نہ عبادت ہو، نہ عقد اور نہ ایقاع، محقق نے اس کا نام ''حکم'' رکھا ہے۔ محقق کہتے ہیں احکام میں بارہ کتابیں ہیں:

۱۔ کتاب **الصید و الذباحة**: صید یعنی حیوان کا شکار۔ ذبح یعنی حیوان کا سر کاٹنا، بطور مقدمہ پہلے یہ عرض کردوں کہ ہر وہ حیوان جس کا گوشت حلال ہے، اس کا گوشت کھانا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے خاص طریقہ سے ''ذبح'' یا ''نحر'' کیا گیا ہو اور یا بعض حیوانات میں تربیت شدہ شکاری کتے یا دھات سے بنے ہوئے آلات کے ذریعے شکار کیا گیا ہو۔

اگر کسی جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو یا شرعی اصول وضوابط کے مطابق شکار کیا گیا ہو تو اصطلاح میں کہتے ہیں یہ جانور ''تزکیہ'' ہوا ہے اور خود اس جانور کو ''مزکی'' کہتے ہیں اور اگر تزکیہ نہ ہوا تو اسے ''میتة'' کہتے ہیں۔ میتة یعنی

مردار جیسا کہ ہم جانتے ہیں نجس ہے اور اس کا استعمال حرام ہے۔ اونٹ کو ذبح کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے جسے نحر کہتے ہیں۔

شکار کا تعلق جنگلی حلال گوشت جانوروں سے ہے۔ جیسے ہرن، پہاڑی بکری، پہاڑی گائے وغیرہ۔ پس بھیڑ، بکری اور پالتو گائے شکار کے ذریعہ حلال نہیں ہوسکتیں۔ جس کتے کے ذریعے شکار کیا جاتا ہے اسے معلم تربیت یافتہ ہونا چاہیے۔ غیر ترتیت یافتہ کتے کا شکار حلال نہیں ہے۔ اسی طرح کتے کے علاوہ دوسرے جانوروں کے ذریعے بھی شکار حلال نہیں ہے۔ ہتھیاروں سے شکار کے لیے شرط ہے کہ وہ لوہے کے بنے ہوئے ہوں اور اتنے تیز ہوں کہ ان کی تیز دھار جانور کو ختم کردے۔ پس پتھر یا لوہے کی سلاخ سے شکار جائز نہیں ہے۔ شکار اور ذبح دونوں میں شرط ہے کہ ان کا انجام دینے والا مسلمان ہو اور خدا کے نام سے شروع کرے۔ کچھ دوسری شرطیں بھی ہیں، جنہیں بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ کتاب الاطعمہ والاشربہ: اطعمہ یعنی کھانے کی چیزیں۔ اشربہ یعنی پینے کی چیزیں۔ قدرتی نعمتوں سے استفادہ کے سلسلے میں (کھانے پینے کے لحاظ سے) اسلام نے کچھ قوانین وضع کیے ہیں، جنہیں آداب کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (لیکن وہ آداب جن کی رعایت واجب ہے۔) صید و ذباحہ بھی ایسے ہی تھے اور اطعمہ و اشربہ بھی ایسے ہی ہیں۔ کلی طور پر اسلام کی نظر میں ''طیبات'' یعنی مفید و مناسب چیزیں حلال ہیں اور خبائث یعنی پلید و غیر مناسب چیزیں انسان کے لیے حرام ہیں۔ اسلام نے اسی کلی بیان پر اکتفاس نہیں کیا ہے بلکہ بعض چیزوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ یہ خبائث ہیں اور ان سے اجتناب ضروری ہے اور یہ طیبات ہیں ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اطعمہ (یعنی کھانے کی چیزیں) یا حیوانی ہیں یا غیر حیوانی۔ حیوانی چیزیں بھی یا دریائی ہیں یا صحرائی یا ہوائی۔ دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی حلال ہے اور وہ بھی چھلکے دار مچھلی۔ صحرائی جانوروں کی دو قسمیں ہیں، پالتو اور جنگلی۔ پالتو جانوروں میں سے گائے، بھینس، بھیڑ، بکری اور اونٹ کا گوشت حلال ہے۔ گھوڑے اور گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ کتے اور بلی کا گوشت حرام ہے۔ جنگلی جانوروں میں سے درندوں اور حشرات (کیڑے مکوڑوں) کا گوشت حرام ہے۔ لیکن ہرن، بارہ سنگھا، جنگلی مینڈھا حلال ہے۔ خرگوش اگرچہ درندہ نہیں ہے، لیکن علماء کے مشہور فتویٰ کی رو سے اس کا گوشت حرام ہے۔

پرندوں میں کبوتر، چکور، مرغابی اور مرغ وغیرہ کا گوشت حلال ہے۔ لیکن شکار کرنے والے پرندوں (جیسے باز وغیرہ) کا گوشت حرام ہے۔

جن پرندوں کے حلال یا حرام ہونے کے سلسلے میں شریعت نے تصریح نہیں کی ہے، وہاں دو چیزیں اس کے حرام ہونے کی علامت ہیں: ایک یہ کہ پرواز کے وقت اپنے پر زیادہ تر کھولے رکھے اور وہ بے حرکت ہوں۔ دوسری یہ کہ ان کے سنگدان (پوٹا) یا پیر کے پیچھے ایک خاص قسم کا ابھار نہ ہو۔

غیر حیوانی چیزوں میں ہر نجس العین کا کھانا پینا حرام ہے۔ اسی طرح متنجس یعنی وہ چیز جو بذاتہ پاک ہو لیکن کسی نجس چیز نے اسے نجس کر دیا ہو، اس کا کھانا پینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز کا کھانا پینا حرام ہے جو بدن کیلئے نقصان دہ ہو اور عقلاء کی نظر میں وہ نقصان اہمیت رکھتا ہو۔ لہٰذا زہر کھانا حرام ہے۔ اگر علم طب یہ ثابت کردے کہ فلاں چیز مثلاً سگریٹ، جسم کے لیے مضر ہے، مثلاً قلب یا اعصاب کو خراب کر دیتا ہے، عمر کم کر دیتا ہے، یا کینسر کا باعث بنتا ہے تو اس کا استعمال حرام ہوگا۔ لیکن اگر اس کا نقصان کوئی خاص اہم نہ ہو، جیسے تہران کی ہوا میں سانس لینا، تو

یہ حرام نہ ہوگا۔

حاملہ عورتوں کے لیے ان چیزوں کا کھانا حرام ہے جو اسقاط کا سبب بن سکتی ہیں یا کسی ایسی چیز کا کھانا جس سے حواس مختل ہو جائیں یا کوئی قوت بے کار ہو جائے۔ مثلاً مرد کوئی ایسی چیز کھالے جس سے اس کی نسل منقطع ہو جائے یا عورت کوئی ایسی چیز کھالے جو اسے ہمیشہ کے لیے بانجھ بنا دے، یہ حرام ہے۔ مٹی کھانا مطلقاً حرام ہے۔ چاہے مضر ہو یا نہ ہو۔ نشہ آور چیزوں کا پینا مطلقاً حرام ہے۔ مالک کی اجازت کے بغیر اس کا مال کھانا حرام ہے، لیکن یہ حرمت عارضی ہے نہ کہ ذاتی۔

حلال گوشت جانوروں کے بعض اجزاء حرام ہے۔ جیسے تلی، بیضہ، آلہ تناسل وغیرہ۔ اسی طرح حرام گوشت جانوروں کا پیشاب اور دودھ بھی حرام ہے۔

۳۔ کتاب الغصب: غصب یعنی کسی کے مال پر زبردستی قبضہ۔ اول یہ کہ غصب حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ ضمانت کا باعث ہے۔ یعنی اگر غصبی مال، غاصب کے ہاتھ میں تلف ہو جائے تو غاصب اس کا ضامن ہے۔ چاہے اس نے مال کی حفاظت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ بھی کی ہو۔ غصبی مال میں ہر قسم کا تصرف حرام ہے۔ غصبی پانی سے وضو اور غصبی لباس میں یا غصبی جگہ پر نماز باطل ہے۔

ضمناً یہ بھی جان لینا چاہیے کہ جس طرح سے غصب یعنی کسی چیز پر زبردستی قبضہ موجب ضمانت ہے، اسی طرح ضائع کرنا بھی باعث ضمانت ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص پتھر مار کر شیشہ توڑ دے تو وہ اس کا ضامن ہے۔ اگرچہ اس نے شیشہ پر زبردستی قبضہ نہ کیا ہو۔ سبب بننا بھی موجب ضمان ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص براہ راست کسی کا مال تلف نہ کرے، لیکن ایسے اسباب فراہم کرے جو خسارات کا باعث بن جائیں تو وہ ضامن ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سڑک پر پھسلنے والی چیز (جیسے کیلے یا خربوزہ کا چھلکا) پھینک دے اور وہاں سے گزرنے والا شخص اس کی وجہ سے پھسل

جائے تو وہ اس کے نقصانات کا ضامن ہوگا۔

۴۔ کتاب الشفعہ: شفعہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شریک اپنے دوسرے شریک کا حصہ خریدنے میں اولویت رکھتا ہے۔ اگر دو اشخاص کسی مال میں اس طرح شریک ہوں کہ شرکاء کے حصے تقسیم نہ ہوئے ہوں اور ایک شریک اپنا حصہ بیچنا چاہے، اس صورت میں اگر اس کا دوسرا شریک وہی قیمت دینے کو تیار ہو جو دوسرے افراد دے رہے ہوں تو اولویت اس شریک کو حاصل ہوگی۔

۵۔ کتاب احیاء الموات: موات یعنی مردہ زمین (افتادہ و بائر زمین) یعنی وہ زمین جو زراعت یا مکان کی تعمیر کے ذریعے آباد نہ ہوئی ہو۔ آباد شدہ زمین کو فقہ میں 'عامر'' کہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے:

من احيى ارضا مواتا فهي له

جو شخص کسی افتادہ یا مردہ زمین کو (احیاء) آباد رے وہ زمین اسی کی ہے۔

احیاء موات کے بہت سے مسئلے ہیں جو فقہ میں موجود ہیں۔

۶۔ کتاب اللقطہ: لقطہ یعنی راستہ میں ملی ہوئی چیز۔ اس کتاب میں ان پڑی ہوئی ملی چیزوں کا حکم بیان ہوتا ہے جن کا مالک معلوم نہیں ہے۔ لقطہ یا حیوانی ہے یا غیر حیوانی۔ اگر اس کا تعلق حیوان سے ہو اور اس حیوان کی زندگی خطرے میں نہ ہو تو اسے اٹھانا جائز نہیں ہے اور اگر اسے خطرہ لاحق ہو، جیسے صحرا میں بھٹکا ہوا جانور تو اسے اٹھا کر لے جا سکتا ہے، لیکن اس کے مالک کو تلاش کرنا پڑے گا۔ اگر اس کا مالک مل گیا تو اسے اس کے سپرد کر دینا چاہیے اور اگر مالک نہ مل سکا تو وہ مجہول المالک قرار پائے گا اور حاکم شرع کی اجازت سے فقراء کی مدد میں صرف کیا جائے

گا۔ غیر حیوان کا لقطہ، اگر اس کی مقدار کم ہو یعنی نصف مثقال مسکوک چاندی سے کم ہو تو اس کا پانے والا خود اپنے مصرف میں لا سکتا ہے اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک سال تک اس کے اصلی مالک کو تلاش کرے گا۔ (مگر یہ کہ وہ پیدا شدہ چیز باقی رہنے کے قابل نہ ہو جیسے پھل وغیرہ) اگر اصلی مالک نہ مل سکا تو یہاں حرم مکہ میں ملنے والے لقطہ اور غیر حرم کے لقطہ کے درمیان فرق ہے۔ اگر وہ چیز حرم مکہ میں ملی ہو تو دو کام میں سے ایک کرنا ہوگا یا اس نیت سے صدقہ دے دے کہ جب اس کا اصلی مالک ملے گا تو اسے اس کا عوض دے دوں گا یا اس کے مالک کے ملنے کے انتظار میں اس چیز کو اپنے پاس محفوظ رکھے اور اگر وہ چیز حرم مکہ سے باہر ملی ہو تو اسے تین کاموں کے درمیان اختیار ہے، یا اس نیت سے خود استعمال کرے کہ اگر اس کا مالک مل گیا تو اسے اس کا عوض دے دے گا یا اسی نیت سے صدقہ دے دے اور یا اس کے مالک کے ملنے کی امید میں اپنے پاس محفوظ رکھے۔

اگر ملنے والی چیز میں کوئی علامت و نشانی نہ ہو تو شروع ہی سے مذکورہ تین چیزوں کے درمیان اسے اختیار ہے۔

۷۔ کتاب الفرائض: اس سے مراد کتاب المیراث ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں میراث کا قانون موجود ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے میراث کا قانون اختیاری نہیں ہے۔ یعنی مورث کو یہ حق نہیں ہے کہ خود اپنی مرضی سے ورثاء کا حصہ معین کرے اور اپنی پوری دولت کسی ایک کے حوالہ کر دے۔ مورث کا مال ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

اسلامی نقطہ نظر سے ورثا کے مختلف طبقے تشکیل پاتے ہیں۔ پہلے طبقے کی موجودگی میں بعد کے طبقے کو میراث نہیں ملے گی۔

پہلے طبقہ میں والدین، اولاد اور (اولاد نہ ہونے کی صورت میں) پوتے

پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں۔

دوسرے طبقہ میں دادا، دادی، نانا، نانی اور بھائی بہن وغیرہ ہیں (بھائی بہن کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولادیں۔)

تیسرے طبقہ میں چچا، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں اور ان کی اولاد ہیں۔ یہ مذکورہ باتیں نسبی اولاد سے تعلق رکھتی ہیں۔ غیر نسبی وارث بھی ہوتے ہیں۔ میاں، بیوی غیر نسبی وارث ہیں اور انہیں تمام طبقوں کے ساتھ میراث ملے گی۔ اب رہی یہ بات کہ کس نسبی طبقہ کو اور میاں بیوی کو کتنی میراث ملے گی، اس میں بہت مسائل ہیں جنہیں مستقل طور پر فقہ میں پڑھیے۔

۸۔ کتاب القضاء: قضاء یعنی مقدموں کا فیصلہ۔ آج کی فارسی زبان میں اس کے لیے لفظ ''قضاوت'' استعمال کیا جاتا ہے۔ قضاء کے مسائل اتنے زیادہ ہیں جنہیں یہاں نہیں چھیڑا جا سکتا۔ اجمالی طور پر بس اتنا ہی کہیں گے کہ اسلام کا قضائی نظام ایک مخصوص نظام ہے۔ عدالتی انصاف اسلام کی نگاہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام جس طرح قاضی کی علمی حیثیت کو بے حد اہمیت دیتا ہے کہ اسے اسلامی قوانین کا ماہر و مجتہد ہونا چاہیے، اسی طرح اس کی اخلاقی صلاحیتوں کا بھی بے انتہا اہتمام کرتا ہے۔ قاضی کو ہر قسم کے گناہ سے پاک ہونا چاہیے۔ حتیٰ ان گناہوں سے بھی جو براہ راست عدالتی مسائل سے سروکار نہیں رکھتے۔ قاضی کو فریقین سے اجرت لینے کا حق نہیں ہے۔ قاضی کے مخارج وافر مقدار میں بیت المال سے ادا ہونے چاہئیں۔

مسند قضاوت اتنی محترم ہے کہ فریقین چاہے جس مقام و منزلت کے حامل ہوں، چاہے خلیفہ وقت ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ تاریخ اسلام حضرت علی علیہ السلام کی سیرت نشاندہی کرتی ہے، اس کے سامنے کسی قسم کے امتیاز و ترجیح کے بغیر پورے احترام کے ساتھ حاضر ہوں۔ اسلام کے عدالتی نظام میں اقرار و گواہی اور بعض

موارد میں ''قسم'' دعویٰ کے اثبات یا نفی میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہے۔

۹۔ کتاب الشہادات: کتاب شہادات کتاب قضاء کا تکملہ ہے۔ یہی حال اقرار کا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص دعویٰ کرتا ہے تو مدعی علیہ یا اقرار کرے گا یا انکار۔ اگر اقرار کر لیتا ہے تو یہ مدعی کے دعویٰ اور قاضی کے حکم کے اثبات کے لیے کافی ہے اور اگر انکار کرے تو اس صورت میں مدعی کو بینہ یعنی شاہد پیش کرنا ہوگا۔ اگر شاہد جامع الشرائط ہو تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ شاہد فراہم کرنا منکر کی ذمہ داری نہیں ہے۔

کچھ خاص موارد میں منکر کو قسم کھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر وہ قسم کھالے تو اسے بری قرار دے دیا جائے گا۔ یہ فقہ کا ایک مسلم قاعدہ ہے کہ **البینۃ علی المدعی و الیمین علی من انکر** یعنی مدعی کی ذمہ داری شاہد پیش کرنا ہے اور منکر کی ذمہ داری قسم کھانا ہے۔ قضاوت کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اس سلسلے میں لکھی جانے والی بعض مستقل کتابیں محقق حلی کی پوری شرائع کے برابر ہیں۔

۱۰۔ کتاب الحدود و التعزیرات: اس کا تعلق اسلام کے قانون سزا سے ہے۔ جس طرح کتاب القضاء و کتاب الشہادات کا تعلق اسلام کے عدالتی قانون سے تھا۔ اسلام میں بعض گناہوں کی سزا معین کر دی گئی ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں ایک ہی انداز میں جاری کی جائے گی۔ اس قسم کے قانون کو ''حد'' کہتے ہیں۔ لیکن کچھ سزائیں ایسی بھی ہیں جو شریعت کی نگاہ میں حاکم کی رائے سے وابستہ ہیں اور حاکم ان سزاؤں کی تشدید و تخفیف کے اسباب و علل مدنظر رکھتے ہوئے جاری کرے گا۔ اس قسم کی سزاؤں کو ''تعزیرات'' کہتے ہیں۔ اب ہم یہاں کچھ ''حدود'' کا تذکرہ کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ تمام حدود کے تفصیلی بیان کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت ہے۔

الف۔ زنائے محصن و محصنہ: یعنی وہ شادی شدہ مرد جس کی بیوی اس کے

پاس موجود ہو یا وہ شوہر دار عورت جس کا شوہر اس کے پاس وجود ہو کی حد، رجم یعنی سنگساری ہے اور غیر محصن و غیر محصنہ کے زنا کی حد، سو کوڑے ہیں اور اگر یہ زنا محرم عورتوں کے ساتھ انجام پایا ہو تو اس کی سزا قتل ہے۔

ب۔ لوط کی حد، تلوار سے قتل کر دینا یا پہاڑ پر سے گرا دینا یا نذر آتش کر دینا ہے یا ایک قول کے مطابق اس پر دیوار گرا دینا ہے۔

ج۔ قذف: یعنی کسی مرد یا عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔

د۔ شراب یا ہر سیال نشہ آور چیز پینے کی حد، اسی (۸۰) کوڑے ہے۔

ھ۔ چوری کی حد، داہنے ہاتھ کی انگلیاں کاٹنا ہے۔ بشرطیکہ چوری کئے ہوئے مال کی قیمت ایک چوتھائی مثقال مسکوک سونے کے برابر ہو۔

و۔ محارب یعنی لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان کے امن و امان کو درہم برہم کرنے کی نیت سے مسلح ہو کر عوام کے درمیان ظاہر ہونے والے کی حد تین چیزوں میں سے ایک چیز ہے اور اس کے انتخاب کا حق حاکم کو ہے کہ وہ حالات کے پیش نظر کوئی ایک سزا انتخاب کرے: ۱۔ تلوار سے قتل ۲۔ سولی پر لٹکانا ۳۔ ایک طرف سے ایک ہاتھ اور دوسری طرف سے ایک پیر کاٹنا۔ یعنی داہنا ہاتھ اور بایاں پیر یا بایاں ہاتھ اور داہنا پیر کاٹنا۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں جن جگہوں پر کوئی خاص سزا ''حد'' معین نہیں ہوئی ہے، اسلامی حکومت اپنی صوابدید کے مطابق سزا دے سکتی ہے۔ اس طرح کی سزاؤں کو ''تعزیر'' کہتے ہیں۔

۱۱۔ کتاب القصاص: قصاص بھی ایک طرح کی سزا ہے، لیکن جرائم کے سلسلے میں۔ یعنی ان مقامات پر جہاں کوئی شخص کسی کو جانی نقصان پہنچائے۔ قصاص

درحقیقت مجنی علیہ یعنی جس شخص کے ساتھ یہ جرم ہوا ہے یا اس کے ورثاء کے لیے، اگر مجنی علیہ قتل ہو گیا ہو، ایک طرح کا حق ہے جو اسلامی قوانین نے عطا کیا ہے۔

یہ جرم یا قتل ہے یا نقص عضو ہے اور یہ دونوں، عمداً ہوں یا خطاء۔

عمدی جرم یہ ہے کہ قصد وارادہ کے ساتھ انجام پایا ہو۔ مثلاً کوئی کسی کو قتل کرنے کے ارادہ سے مارے اور وہ مر جائے۔ چاہے یہ کام اس نے آلہ قتل مثلاً تلوار یا بندوق کے ذریعے انجام دیا ہو یا غیر قتالہ آلات کے ذریعے جیسے پتھر وغیرہ۔ پس قتل کرنے کا مصمم ارادہ ہونا ہی اسے عمدی سمجھنے کے لیے کافی ہے۔

شبہ عمد یہ ہے کہ وہ کسی فعل کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن جو واقع ہوا وہ اس کا مقصود نہیں تھا۔ مثلاً کوئی کسی کو زخمی کرنے کی نیت سے چاقو مارتا ہے، لیکن وہ اس کے قتل کا باعث بن جاتا ہے۔ یا مثلاً کسی بچہ کو ادب سکھانے کے قصد سے مارتا ہے اور وہ بچہ مر جاتا ہے یا ڈاکٹر علاج کے ارادے سے دوا دیتا ہے لیکن وہ دوا نقصان کر جاتی ہے اور مریض کی موت کا باعث بن جاتی ہے۔

خالص خطا یہ ہے کہ اس فعل میں قصد وارادہ شامل نہیں تھا۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بندوق صاف کر رہا ہو اور اچانک اس سے فائر ہو جائے جس کے نتیجہ میں کوئی شخص قتل ہو جائے۔ یا مثلاً ڈرائیور عام طریقہ سے گاڑی چلا رہا ہو اور اچانک ایکسیڈنٹ ہو جائے جس کے نتیجہ میں کوئی شخص ہلاک ہو جائے۔

قتل عمد و شبہ عمد کی صورت میں ورثاء کو قصاص کا حق ہے۔ یعنی اسلامی حکومت کی زیر نگرانی قاتل، مقتول کے اولیاء کے ذریعے قتل کیا جائے گا۔ لیکن خالص و محض خطا میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے گا۔

۱۲۔ کتاب الدیات: قصاص کی طرح دیت بھی جرائم سے تعلق رکھتی ہے اور

قصاص کی مانند دیت بھی جانی (مجرم) پر مجنی علیہ (یا اس کے ورثاء) کا ایک حق ہے۔ فرق یہ ہے کہ قصاص ایک قسم کا انتقام ہے اور دیت مالی جرمانہ ہے۔ قصاص کی طرح دیت کے احکام بھی مفصل ہیں۔

فقہاء کتاب القصاص اور کتاب الدیات کے ذیل میں مسئلہ کی مناسبت سے طبیب و مربی کی ضمانت کا مسئلہ بھی بیان کرتے ہیں۔

طبیب کے بارے میں کہتے ہیں، اگر طبیب حاذق نہ ہو اور اپنے علاج میں غلطی کا مرتکب ہو جو مریض کی موت کا باعث بن جائے تو یہ حکیم یا ڈاکٹر ضامن ہے اور اگر حاذق ہو لیکن مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر علاج کرے اور مریض کی موت کا سبب بن جائے، پھر بھی ضامن ہے۔ لیکن اگر طبیب حاذق ہو اور مریض یا اس کے ولی کی اجازت سے علاج کرے تو اسے چاہیے کہ اپنا ذمہ پہلے ہی بری کر لے۔ یعنی مریض یا اس کے سرپرستوں سے یہ شرط کر لے کہ میں اپنی جیسی پوری کوشش کروں گا لیکن اگر خدانخواستہ مریض مر گیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ایسی صورت میں اگر مریض مر جائے یا اس کا کوئی عضو ناقص ہو جائے تو ڈاکٹر ضامن نہیں ہے۔ لیکن اگر شرط کیے بغیر علاج شروع کر دے تو بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر ضامن ہے۔

اسی طرح بچے کی تربیت کرنے والا اگر اسے بلا ضرورت مارے اور یہ ضرب بچے کے قتل یا کسی عضو کے ناقص ہو جانے کا سبب بن جائے تو مربی اس کا ضامن ہے۔ البتہ اگر واقعاً حالات ایسے ہوں کہ بچے کو تنبیہ کرنا ضروری ہو اور اسی ضرورت کے تحت مربی بچے کو تنبیہ کرے اور اتفاقاً بچہ مر جائے یا اس کا کوئی عضو ناقص ہو جائے تو اگر اس نے پہلے بچے کے والدین یا اس کے ولی سے اجازت لے لی ہے تو ضامن نہیں ہے ورنہ ضامن ہو گا۔

سبق نمبر ۱۱

فقہی مسائل کا تنوع

ان چند درسوں میں جو کچھ بیان ہوا، اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ فقہ میں مختلف قسم کے اتنے متنوع مسائل بیان ہوئے ہیں کہ اگر خود ان مسائل کا بذاتہ مطالعہ کرنا چاہیں تو بعض اوقات ان کے درمیان کوئی شباہت نظر نہ آئے گی۔ کوئی علم ایسا نہیں ہے جس میں فقہ کی طرح مختلف ماہیت کے مسائل بیان ہوئے ہوں۔ مثلاً اگر نماز، روزہ یا اعتکاف کا بیع اجارہ، اطمعہ، اشربہ یا قصاص و دیت سے مقابلہ کریں تو ان میں آپس میں کوئی مشابہت نظر نہ آئے گی۔ ان میں سے ہر ایک اپنا الگ مقولہ رکھتا ہے۔ لیکن اگر فقہ کے مختلف ابواب میں بیان ہونے والے مختلف موضوعات یکجا کر کے دیکھیں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ کس طرح ہر باب کسی نہ کسی انسانی پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔

بعض فقہی موضوعات، صرف عبادت سے مربوط کچھ فطری فرائض کی انجام دہی سے تعلق رکھتے ہیں جو انسانی روح کی فطری تجلیات کا ایک پرتو ہے۔ یعنی اس فطری رجحان کے سلسلے میں کچھ اصول وضوابط ہیں اور درحقیقت یہ مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان پائے جانے والے رجحان عبادت کو منظم بنانا ہے۔ نماز، روزہ، اعتکاف وغیرہ اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض موضوعات تعاون اور باہمی خدمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن اسلام چاہتا ہے کہ اس طرح کے امور جو کہ

سماجی امور ہیں، روح عبادت کے ہمراہ ہوں۔ جیسے زکوٰۃ وخمس یا اسی طرح سیاسی و سماجی ذمہ داریاں جیسے جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، سبق ورمایہ۔

بعض چیزیں انسان کے خود اپنے نفس کے تعلقات سے مربوط ہیں۔ جیسے حفظ جان کا وجوب، اپنی جان کو نقصان پہنچانے کی حرمت، خودکشی کی حرمت، (بعض مقامات پر) کنوارے اور تنہا رہنے کی حرمت۔ بعض مسائل، خدا داد نعمتوں سے انسان کے بہرہ مند ہونے کی شرائط اور اس کی حدود سے مربوط ہیں جو طبیعت کے ساتھ انسان کے روابط میں منحصر ہیں۔ اطمعہ و اشربہ، صید و ذباحہ، حتیٰ کہ لباس، مکان اور برتن کے احکام، اسی قسم کے ہیں اور کچھ موضوعات ایک طرف سے انسان اور قدرتی نعمتوں کے تعلقات اور دوسری طرف سے اس کی مانند دیگر انسانوں کے ساتھ روابط سے تعلق رکھتے ہیں جو اسی کی طرح ان نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کے حقدار ہیں اور درحقیقت یہ احکام خداداد نعمتوں سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں بعض افراد کی نسبت بعض افراد کی اولویت سے مربوط ہیں۔ یعنی ابتدائی اور بلاعوض ملکیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے افتادہ زمینوں کی آبادکاری، زراعت، میراث، اپنی پیدا کردہ چیزوں کی ملکیت وغیرہ اور بعض مسائل کا تعلق اقتصادی نقل و انتقال سے ہے۔ جیسے بیع، طلاق، ظہار، لعان، ایلاء اور بعض عدالتی قوانین سے مربوط ہیں۔ جیسے قضاء، شہادت، اقرار۔ بعض جرم وسزا کے قانون سے ربط رکھتے ہیں۔ جیسے حدود، تعزیرات قصاص، دیات اور بعض ضمانتوں سے مربوط ہیں۔ جیسے غصب اور حوالہ وغیرہ۔ بعض سرمایہ وسرمایہ یا سرمایہ ومحنت کی مشارکت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے مضاربہ، مزارعہ، مساقات۔ بعض چیزیں ایسی ہیں جو کئی پہلوؤں کی حامل ہیں۔ جیسے حج کہ یہ عبادت بھی ہے، تعاون بھی ہے اور سماجی کانفرنس بھی۔ یا سبق ورمایہ کہ یہ شرط بندی کے لحاظ سے مالی و

اقتصادی روابط سے تعلق رکھتی ہے اور اس نقطہ نظر سے کہ اس کا مقصد فوجی مشق ہے، سیاسی وسماجی ذمہ داریوں سے بھی مربوط ہے۔

البتہ واضح ہے کہ یہ تمام متنوع ورنگ برنگے امور ایک ہی مشینری کا حصہ ہیں اور آخری مقصد میں جو کہ انسان کی سعادت وکامرانی ہے، سب شریک ہیں البتہ اتنا اشتراک مختلف علوم کے مسائل کے درمیان بھی پایا جاتا ہے۔ سیاسیات، اقتصادیات، نفسیات اور سماجیات سے تعلق رکھنے والے علوم کے مسائل بھی اس کلی مقصد میں شریک ہیں۔ تمام علوم انسانی سعادت وخوش بختی میں موثر ہونے کے لحاظ سے ایک واحد مشینری تشکیل دیتے ہیں۔

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعاً فقہ ایک علم نہیں ہے بلکہ کئی علوم کا مجموعہ ہے؟ خاص طور سے اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جن مسائل کو فقہ اپنے دائرہ میں بیان کرتی ہے، آج مختلف علوم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور اکثر ان کی بحث وگفتگو اور تحقیق کا طریقہ بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

جواب یہ ہے کہ فقہ ایک ہی علم ہے۔ باوجودیکہ اگر وہ مسائل جنہیں فقہ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، استدلالی وتجربی انداز میں مورد بحث وتحقیق قرار پائیں تو مختلف علوم تشکیل دیں گے۔ لیکن فقہ چونکہ ایک خاص زاویہ سے ان مسائل کو دیکھتی ہے، لہٰذا یہ سارے مسائل ایک ہی علم کے دائرہ میں آئیں گے۔

وضاحت:

فقہ ان مسائل کو صرف اس زاویہ سے دیکھتی ہے کہ اسلامی شریعت میں افراد بشر کے لیے ان تمام مسائل میں جائز وناجائز اور صحیح وباطل ہونے کے لحاظ سے کچھ اصول وقوانین وضع ہوئے ہیں اور ان قوانین کو کتاب، سنت، اجماع یا عقل

کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ فقیہ کی نظر میں ان موضوعات کا ماہیتی اختلاف (بعض نفسیاتی وفردی ماہیت رکھتے ہیں، بعض سماجی ماہیت، بعض قضائی ماہیت اور بعض اقتصادی ماہیت) کوئی اہمیت نہیں رکھتا، ان کا کوئی اثر بھی نہیں ہے اور یہ اختلاف ان کے درمیان غیریت کا باعث نہ ہوگا۔ فقیہ ان سب کو ایک خاص رنگ میں دیکھتا ہے اور وہ رنگ ''مکلف'' کا فعل ہے اور ان سب کے احکام کو ایک انداز سے استنباط کرتا ہے اور ایک ہی روش کے مطابق سب کے بارے میں تحقیق کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعتکاف وبیع اور نکاح وحدود ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں۔

لیکن اگر یہ طے پائے کہ ان مسائل کے بارے میں اسلام کے وضع کردہ ان قوانین کے زاویہ سے بحث نہ کریں جنہیں ادلہ اربعہ کے ذریعہ کشف کرنا چاہیے بلکہ ان کے بارے میں استدلال، تجربی اور خالص عقلی انداز میں تحقیق کرنا چاہیں تو ان کے ماہیتی مسائل کا مختلف طریقوں، مختلف منہاجوں کے ذریعے اور مختلف دائروں میں مطالعہ کرنے پر مجبور ہوں گے اور اس نقطہ نظر سے یہ مسائل مختلف علوم کو تشکیل دیں گے۔

تقسیمات

تمام علوم کے ماہرین اپنے علوم کے مسائل ایک خاص انداز سے تقسیم کرتے ہیں مثلاً منطقی حضرات منطق کے مسائل کو تصورات وتصدیقات، دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں یا اسلامی فلسفی، اسلامی فلسفہ کو امور عامہ اور الٰہیات بامعنی الاخص میں تقسیم کرتے ہیں۔ اصولیون علم اصول کو اصول لفظیہ واصول عقلیہ میں تقسیم کرتے ہیں۔

فقہاء کیا کہتے ہیں؟

ہمیں ابھی تک واحد تقسیم جو نظر آئی ہے جس نے فقہی مسائل کو متعدد شعبوں میں تقسیم کیا ہے اور فقہ کے ہر باب کو ایک الگ شعبہ میں رکھا ہے، یہی شرائع میں محقق حلی کی تقسیم ہے جس میں انہوں نے فقہ کے ابواب کو عبادات، عقود، ایقاعات اور احکام نامی چار شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔ محقق حلی کے بعد علامہ حلی نے کتاب ''تذکرۃ الفقہاء'' میں ایک خاص انداز میں تقسیم کیا ہے۔ شاید فرصت ملے اور علامہ حلی کے بیان کے بارے میں بھی کچھ وضاحت دے سکوں۔

شہید اول نے اپنی نفیس کتاب ''قواعد'' میں محقق حلی کی تقسیم کے سلسلے میں مختصر توضیح دی ہے۔ لیکن بقیہ فقہاء نے نہ محقق حلی کی مشہور تقسیم پر توجہ دی ہے اور نہ ہی خود انہوں نے اپنی کوئی تقسیم پیش کی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ شرائع کے شارحین نے جیسے شہید ثانی نے مسالک میں، ان کے نواسے سید محمد نے مدارک میں اور شیخ محمد حسن نجفی نے جواہر میں محقق کی تقسیم کے سلسلے میں مختصر سی بھی توضیح نہیں دی ہے اور اسے نظر انداز کر گئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا یہ تقسیم اچھی نہ تھی یا بنیادی طور پر انہیں تقسیم کے مسئلہ سے ہی کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ایک معاصر فقیہ [1] نے ایک دوسری شکل میں تقسیم کی ہے۔ اس کی ترتیب یہ ہے: عبادات، معاملات، عادات، احکام۔ لیکن انہوں نے ان قسموں کے متعلق نہ کوئی وضاحت دی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ کون سا باب عبادات میں داخل ہے

[1] آیۃ اللہ نائینی کے درس مکاسب (اول بیع) کا نوٹ، تحریری از آقا شیخ موسیٰ نجفی خوانساری مرحوم۔ مجھے اس وقت یہ معلوم نہیں کہ یہ تقسیم خود خوانساری مرحوم کی جدت ہے یا انہوں نے کسی دوسرے سے اقتباس کیا ہے۔

اور کون سا باب معاملات یا عادات یا احکام میں شامل ہے اور اصولی طور پر ان کی تعریف کیا ہے؟ معاصر فقہاء کی زبانوں پر یہ تقسیم ایک دوسرے انداز سے بھی ہے اور وہ یہ ہے: عبادات، معاملات سیاسیات، احکام۔ لیکن میں نے یہ تقسیم ابھی تک کسی کتاب میں نہیں دیکھی اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی توضیح سنی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تقسیم اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ محقق حلی نے اپنی تقسیم میں عبادات کو ایک قسم قرار دیا ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن دوسرے حصوں میں صیغہ کی ضرورت اور اس سے بے نیازی، فریقین کی طرف سے صیغہ جاری کرنے کی ضرورت اور ایک فریق کی کفایت کو ابواب کی تقسیم اور انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کا معیار بنایا ہے، نتیجہ میں نکاح و طلاق، کہ یہ دونوں ہی عائلی حقوق سے تعلق رکھتے ہیں، ایک شادی کے عہد و پیمان کی برقراری ہے اور دوسرا اس کی منسوخی ہے، انہیں دو الگ الگ قسموں میں رکھا ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ایک عقد ہے اور اس کا صیغہ دونوں فریق کی طرف سے جاری ہوتا ہے اور دوسرا ایقاع ہے، اس کا صیغہ یک جانبہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سے اجارہ و جعالہ کے درمیان ذاتی و ماہیتی قربت ہونے کے باوجود عقد و ایقاع میں فرق ہونے سے انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا ہے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ قسموں میں بیان کیا گیا ہے۔ سبق و رمایہ کو عقد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، جہاد سے، جس کی خاطر اسے جائز قرار دیا گیا، جدا کر دیا گیا ہے۔ اقرار جو کہ کتاب القضاء کا تکملہ ہے، کتاب القضاء سے جدا ایک دوسرے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ کتاب القضاء کتاب الاطعمہ والاشربہ اور کتاب الارث کو کسی قسم کی مشابہت کے بغیر صرف اس لیے ایک قسم میں رکھا گیا ہے کہ یہ نہ عبادت ہے اور نہ عقد و ایقاع۔

بنیادی طور پر لفظ ''احکام'' جو محقق کی تقسیم میں بھی ہے اور دوسروں نے بھی

اپنی تقسیم میں اس کا ذکر کیا ہے، یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ ایک غیر مناسب سی اصطلاح ہے ان ابواب کے لیے جنہیں نہ عادات میں شمار کیا جا سکتا ہے اور نہ عقود و ایقاعات میں اور نہ ہی عادات و سیاسیات میں۔

باوجودیکہ شہید اول نے قواعد میں محقق حلی کی تقسیم کے متعلق ایک مختصر سی توضیح دی ہے اور بطور اشارہ اس کا دفاع کیا ہے۔ لیکن عملی طور پر خود انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کی پیروی نہیں کی ہے۔ لمعہ، جو شہید کی آخری کتاب ہے، اس کے فقہی ابواب کی ترتیب شرائع میں محقق کی ترتیب سے مختلف ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ وہ واحد قسم جسے صحیح معنوں میں مستقل قرار دیا گیا ہے، عبادات ہے۔ کیونکہ اس قسم میں عمل کی ماہیت وطبیعت کی جانب توجہ کی گئی ہے۔ اگر دوسری قسموں میں بھی اس جہت کی رعایت کی جائے یعنی فقہی موضوعات کی ماہیت وطبیعت کو مدنظر رکھیں کہ ان میں بعض کی ماہیت قضائی ہے اور ان سے مربوط حقوق، قضائی حقوق ہیں اور بعض کی ماہیت اقتصادی ہے، بعض کی سیاسی، بعض کی اخلاقی، بعض کی جرم وسزا اور بعض کی دوسری ماہیتیں ہیں تو ابواب وقسم کے لحاظ سے فقہ کی تقسیم ایک دوسری شکل اختیار کرلے گی۔

